عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کا ترجمان

ماہنامہ

لولاک

ملتان

شمارہ: ۶ جلد: ۱۸ جمادی الثانی ۱۴۳۵ اپریل 2014

Email: khatmenubuwwat@ymail.com

مسلسل اشاعت کے ۴۵ سال

سید النبی قبل از اعلانِ نبوت

حضرت ابن اُمِ مکتومؓ

ایک ہفتہ حضرت شیخ الہند کے دیس میں

اہم پیش رفت

ناموس شہیدِ رسالت غازی علم الدین شہید

فتنۂ قادیانیت کے سرپرست میاں زادہ کی کرتوت

www.khatm-e-nubuwwat.com, www.lolaak.clickhere2.net, www.laulak.info

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

کلمتہ الیوم!

اہم پیش رفت!

طالبان نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے ملک وملت کے وسیع تر مفاد، جید علماء کرام کی اپیل اور اپنے پیغام کو بطریق احسن قوم تک پہنچانے کے لئے بلامشروط جنگ بندی کردی اور اپنے متعلقین کے تمام عسکری گروہوں کو اعلامیے کا پابند کردیا ہے۔

طالبان کی طرف سے امن کے لئے اس قدر وسیع الظرفی کے مظاہرے نے ان کے بارے میں پائی جانے والی تنگ نظری، جدال پسندی کے پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ سنجیدہ طبقہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ شاید حقائق وہ نہ ہوں جو میڈیا ہمیں آئے روز دکھا رہا ہے۔

امید قوی ہے کہ ملک وقوم میں منافرت کی بھٹی کو جو بعض دیدہ اور بعض نادیدہ ہاتھ مسلسل بھڑکا رہے ہیں۔ شاید وہ آگ بجھ جائے۔ بقول شاعر

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

گذشتہ دنوں حکومت کی طرف سے ’’سرجیکل سٹرائیک‘‘ کے نام سے جاری آپریشن، لڑاکا طیاروں کی بمباری اور ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین کی نقل مکانی نے تو قوم کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی اور وہ امن وامان کے حوالے سے بالکل مایوس ہوگئے تھے۔ اس ناامیدی میں طالبان کا یہ اعلان جو امید کا ستارہ تھا۔ حکومت کے خیرمقدم سے صبح نور کا استعارہ بن گیا۔

حکومتی مذاکراتی ٹیم کے رکن عرفان صدیقی نے کہا کہ فریقین جنگ بندی کے فیصلے پر قائم رہیں تو مذاکرات کا عمل جہاں رکا تھا، وہاں سے دوبارہ شروع ہوگا۔ حکومتی ذرائع کے مطابق طالبان کو جنگ بندی پر آمادہ کرنے میں مولانا سمیع الحق، میجر (ر) عامر اور چوہدری نثار علی خان نے بنیادی کردار ادا کیا۔ انہوں نے طالبان سے بیک ڈور رابطے رکھے اور ان کو ڈرون حملوں کے حوالے سے اعتماد میں لیا۔ طالبان کی طرف سے اچھا اور امید افزا رسپانس ملا۔ مولانا فضل الرحمن نے طالبان کے اعلان کو مدبرانہ فیصلہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت خودمختار ہے۔ امن وامان کے حوالے سے ملک کی دگرگوں صورتحال کی پیش نظر طالبان کے اقدام کو غنیمت جان کر اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

عسکری ماہرین نے بھی جنگ بندی کے اعلان پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے اسے وقت کی ضرورت اور طالبان کی دانش مندی اور حب الوطنی قرار دیا۔ ساتھ یہ اندیشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ پاکستان دشمن لابی مذاکرات کی کامیابی کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکے گی۔ اس لئے ہمیں محتاط طریقے سے اس عمل کو آگے بڑھانا ہوگا۔

جنرل (ر) حمید گل نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ طالبان کے اس فیصلے سے یقیناً امریکن لابی خوش نہیں۔ اس وقت پاکستان کی حالت کمزور بیل کی طرح ہے۔ جس کو خون چوسنے والی جونکوں نے نڈھال کر رکھا ہے۔ دانشمندی اس میں ہے کہ فساد کو بڑھنے سے روکا جائے اور بکے ہوئے لوگوں کو اپنے سے دور رکھا جائے۔

طالبان کے اس اعلان سے امریکہ اور امریکہ نوازوں کی تمناؤں کا نخلستان اجڑ گیا۔ جہاں اس وقت الو بول رہے ہیں۔ اگر جنگ ہو جاتی تو دونوں طرف سے مسلمانوں کے لاشے گرتے، پھر شاید ان امریکہ نوازوں کو تسکین مل جاتی جو طالبان کی جنگ کو دھوکہ کہہ کر حکومت کو بار بار آپریشن پر ابھار رہے ہیں۔ لیکن ؎

بسا آرزو کہ خاک شدہ

جنرل شاہد عزیز نے کہا ہے کہ طالبان ہمارے ہی ملک کے باشندے اور اس قوم کے بیٹے ہیں۔ ان کی بات سننا ہوگی۔ اگر خاکم بدہن اس وقت ''دشمن'' نے ہماری مشرقی سرحدوں پر طبل جنگ بجا دیا تو ہم کہاں کہاں سے فوج نکالیں گے۔ سوات سے، وزیرستان سے، بلوچستان سے؟ اس لئے سول حکومت اپنی ذمہ داریوں کو خود پورا کرے اور فوج کو حقیقی خطروں سے نمٹنے کے لئے تیار رکھے۔

طالبان یہ بات سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں کہ امن کا قیام شریعت کے مقاصد میں سے ہیں اور شریعت نے بدامنی، فساد اور ظلم کے تمام عوامل کا انسداد کیا ہے۔ لہٰذا بدامنی کا تدارک ضروری ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر انہوں نے بروقت اور صحیح فیصلہ کر کے جنگ بندی کی۔ فریقین کو چاہئے کہ مذاکراتی عمل کے بارے میں کسی سازش کا شکار نہ ہوں۔

حال ہی میں ایف سی اہل کاروں کے قتل کے واقعہ کے بارے میں ایک ویڈیو سامنے آئی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے سوات آپریشن سے پیشتر ایک لڑکی کو کوڑے مارنے کی ویڈیو منظر عام پر آئی تھی۔ حالیہ ویڈیو نے بھی طالبان کے خلاف آپریشن کے لئے رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ تازہ ویڈیو کے بارے میں بھی کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کب اور کہاں بنائی گئی۔ ایف.سی اہلکاروں کو کہاں قتل اور کہاں دفنا دیا گیا۔ ویڈیو کے مناظر سے کسی بھی ذی شعور آدمی کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ مذاکرات کے عمل کو سبوتاژ کرنے کی ایک سازش ہے۔ ویڈیو کی ٹائمنگ سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا مقصد اہلیان پاکستان کو ذہناً آپریشن کا حامی بنانا ہے۔

لیکن بحمد اللہ! طالبان اور حکومت دونوں طرف سے دانش مندی کا ثبوت دیا گیا اور مذاکرات کا عمل ایک مرتبہ معرض التواء میں پڑنے کے بعد دوبارہ متوقع ہے۔

سیرت النبی ﷺ ...... قبل از اعلان نبوت

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا نسب

حضرت خدیجہؓ کا نسب اس طرح ہے۔ خدیجہ بنت خویلد، ابن اسد، ابن عزی، ابن قصی، ابن کلاب، ابن مرۃ، ابن کعب، ابن لوی، ابن غالب، ابن فہر، ابن مالک، ابن نضر، ابن کنانہ، اور ایسے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی والدہ، نانی، پرنانی، غرضیکہ والد اور والدہ دونوں طرف سے صاحب شرف وفضل تھیں۔ حضرت خدیجہؓ مال دار تاجرہ تھیں۔ آپؓ مختلف تاجروں کے ذریعہ اپنا مال شام اور دوسرے ممالک میں تجارت کے لئے بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف حسنہ، سچائی، دیانتداری، سلیقہ شعاری، اخلاق عظیم جیسے اوصاف کا سن کر خود استدعا کی کہ آپ ﷺ میرے روپیہ سے تجارت کریں تو حضرت ﷺ ان کا مال تجارت لے کر گئے۔ نیز انہوں نے اپنا غلام میسرہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا تو سرور دو عالم ﷺ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر ملک شام کی طرف تشریف لے گئے۔

نسطورا راہب کا آپ ﷺ کو پہچان لینا

اثنائے سفر میں آپ نے نسطورا راہب کی خانقاہ (صومعہ) کے قریب ایک درخت کے نیچے نزول فرمایا تو راہب نے میسرہ سے سوال کیا کہ درخت کے نیچے تشریف فرما جوان کون ہے؟ میسرہ نے جواب دیا کہ اہل حرم اور قریش سے تعلق رکھنے والا نوجوان ہے۔ راہب نے جواب دیا کہ اس درخت کے نیچے سوائے اللہ کے نبی کے کسی نے آج تک قیام نہیں کیا۔

حضرت خدیجہؓ کے بطن مبارک سے آپ ﷺ کی اولاد

آپ ﷺ کی اولاد حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ اور بیٹوں میں سے قاسم، طاہر طیب حضرت خدیجہؓ سے ہوئے۔ آپ کے فرزندان گرامی آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے اور انتقال فرما گئے۔ جبکہ بنات اعلان نبوت کے بعد تک زندہ رہیں۔ تمام اسلام لے آئیں اور ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بلکہ تمام بیٹیاں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئیں۔ اہل کتاب کے علماء ومشائخ آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کا تفصیلی تذکرہ موجود تھا۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔ بلکہ مشرکوں اور بت پرستوں سے کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والے ہیں جو دین ابراہیمی پر ہوں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر اہل کفر وشرک کے خلاف جہاد کریں گے۔ پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی ''احمد'' (ﷺ) لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

۱...... ’’الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل (الاعراف:۱۵۷)‘‘

۲...... ’’واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انّی رسول اللّٰہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد (الصف:۶)‘‘

۳...... ’’محمد رسول اللّٰہ والذین معہ...... الیٰ ان...... ذالک مثلھم فی التورۃ ومثلھم فی والانجیل (الفتح:۲۹)‘‘

۴...... ’’وکانوا من قبل یستفتحون علیٰ الذین کفروا (الفتح:۲۹)‘‘

۵...... ’’وباؤا بغضب علیٰ غضب وللکافرین عذاب مھین (البقرہ:۸۹،۹۰)‘‘

اہل مکہ امی تھے۔ یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے۔ نہ کسی رسول کو جانتے تھے۔ جنت ودوزخ، بعث بعد الموت وغیرہ کوئی مسئلہ نہیں جانتے تھے۔ البتہ ایسی باتیں اہل کتاب سے سنا کرتے تھے۔ عاصم بن عمر بن قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے حالات کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ کیونکہ یہود ہمارے ساتھ رہتے تھے۔ جو اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست، جب انہیں ہماری کوئی بات ناگوار گزرتی تو کہتے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی تشریف آوری قریب ہے۔ ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارا ایسا قلع قمع کریں گے جیسا کہ قوم عاد وثمود کا ہوا۔ لیکن جب حضور ﷺ تشریف لائے تو ہم نے اسلام قبول کیا اور وہ اپنے حسد کی بناء پر کفر پر اڑے رہے۔ انہی سے متعلق قرآن پاک میں ہے۔’’وکانوا من قبل یستفتحون علیٰ الذین من قبل ‘‘حضرت حسان بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔ میں سات آٹھ سال کا تھا کہ میں نے سنا کہ ایک یہودی ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوکر چیخا تو دوسرے یہودی اس کے اردگرد اکھٹے ہوگئے۔ اس نے کہا’’یا معشر الیھود ‘‘اے یہودیو! یہودی بولے’’ویلک مالک ‘‘تجھے کیا ہوگیا’’قال طلع نجم احمد الذی یبعث به اللیلة‘‘حضرت احمد ﷺ کا ستارہ آج رات طلوع ہوگیا۔

تعمیر کعبہ اور حجر اسود کی تنصیب

آپ ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ رسال کی ہوئی تو قریش نے کعبۃ اللہ کی تعمیر جدید کی۔ لیکن حجر اسود کی تنصیب پر قبائل میں اختلاف ہوگیا۔ ہر قبیلہ کے لوگ کہتے تھے کہ یہ اعزاز انہیں حاصل ہو۔ چار یوم تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا۔ آخر ابوامیہ بن مغیرہ جو قریش میں بڑی عمر کا تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ کسی کو’’حکم‘‘ مان لیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کرے اس کو تمام برادری قبول کرلے۔ چنانچہ طے ہوا کہ جو سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو۔ اسے’’حکم‘‘ مان لیا جائے۔ اتفاق سے سرور دوعالم ﷺ تشریف لے آئے تو تمام قبائل نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے فیصلے پر ہم راضی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چادر بچھائی جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر چادر میں رکھ دیا۔ پھر تمام قبائل کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ چادر کو اٹھائیں۔ چنانچہ تمام قبائل کے سرداروں نے مل کر چادر کو اٹھایا اور حجر اسود کی تنصیب کے مقام تک لے گئے۔ سرور دوعالم ﷺ نے حجر اسود اٹھا کر اس کے مقام پر نصب کردیا اور یوں یہ مسئلہ حل فرمادیا اور قریش جنگ وجدال اور قتل وقتال سے بچ گئے۔ جاری ہے!

حضرت ابن ام مکتومؓ

حافظ محمد انس

الحمد لولیه والصلوٰة علی نبیه محمد وعلی آله واصحابه اجمعین!

حضرت ابن ام مکتومؓ کا اصل نام باختلاف روایت عمرو یا عبداللہ یا حصین تھا۔لیکن وہ اپنی والدہ کی کنیت کی نسبت سے ابن ام مکتوم مشہور ہوئے۔والد گرامی کا نام قیس بن زائدہ تھا جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کے حقیقی ماموں تھے۔اس طرح حضرت ابن ام مکتوم حضرت خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔آپ کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔

حضرت ابن ام مکتومؓ اگرچہ نور بصیرت سے محروم تھے۔لیکن رب العالمین نے انہیں نہایت ہی نیک سیرت اور سعید فطرت سے نوازا تھا۔اس لئے سرکار دو عالم ﷺ کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد جونہی ان کے کانوں میں حق کی آواز پہنچی تو انہوں نے بلا تامل دعوت حق کو قبول فرمایا۔حضرت ابن ام مکتومؓ کا شمار قدیم الاسلام اور جلیل القدر صحابہ میں ہوتا تھا۔وہ سابقون الاولون کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔

رحمت عالم ﷺ کی بعثت حق وباطل کے درمیان ایک طویل کشمکش کا نقطہ آغاز تھی۔تاہم جب تک حکم خداوندی ’’فاصدع بما تومروا عرض عن المشرکین ‘‘(یعنی احکام الٰہی اعلانیہ بیان کیجئے اور مشرکین کی طرف سے اعراض کر لیجئے) نازل نہ ہوا تو اس کشمکش نے شدت اختیار نہ کی۔چنانچہ دور نبوی ﷺ کے پہلے تین سال کچھ اس طرح گذرے کہ سرکار دو عالم ﷺ کفار مکہ کے پاس بلا جھجک تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہ بھی آقا ﷺ کی محافل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کے ارشادات سنا کرتے تھے۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ کی مجلس میں جو دعوت حق دینے کے لئے قائم تھی، ابو جہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف وغیرہ بہت سے روسائے قریش موجود تھے۔سرکار دو عالم ﷺ بڑی توجہ اور محنت سے ان کو دین اسلام کی تعلیم دے رہے تھے۔اتنے میں حضرت ابن ام مکتومؓ لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے مجلس نبی میں حاضر ہوئے اور یوں عرض پیرا ہوئے ’’یارسول اللہ ارشدنی ‘‘(یارسول اللہ مجھے راہ ہدایت بتائیے) سرکار دو عالم ﷺ کی بڑی دلی تمنا وخواہش تھی کہ ان روسائے مکہ میں سے کوئی آدمی اسلام قبول کرلے تاکہ وہ دین حق کی تقویت کا باعث بنے۔ اس لئے آپ ﷺ پوری توجہ اور انہماک سے ان کو محاسن اسلام سے آگاہ فرماتے رہے اور حضرت ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہ فرمائی۔سرکار دو عالم ﷺ کے اس اعراض پر اللہ رب العزت کی طرف سے حضرت جبریل امین سورہ عبس کا ابتدائی حصہ لے کر تشریف لائے۔جس کے اندر اللہ رب العزت نے سرکار دو عالم ﷺ کی فہمائش فرمائی۔

اس کے فوراً بعد سرکار دوعالم ﷺ حضرت ابن ام مکتومؓ کے گھر پر تشریف لے گئے جو آپ ﷺ کی طرف سے توجہ نہ ملنے کے باعث چلے گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ ان کو واپس اپنی مجلس میں لائے اور ان کے لئے اپنی ردائے اقدس کو زمین پر بچھا دیا اور بڑی محبت والفت سے آپ کو اس پر بٹھایا۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کے مقدر پر قربان جن کی خاطر خالق لم یزل نے قرآن پاک کی چند آیات کو نازل فرمایا اور باعث تخلیق کائنات رحمت دوعالم ﷺ نے ان کے لئے اپنی ردائے اقدس کو بچھایا:

ایں سعادت بزور بازو نیست

اس کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ کا حضور اکرم ﷺ خود اور امہات المؤمنین بے حد اکرام فرمایا کرتے تھے۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں آپ کو خاص مقام حاصل ہو گیا تھا۔ جب کبھی آپ حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوتے تھے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ شہد اور لیموں سے خاطر مدارت فرمایا کرتی تھیں۔

سرکار دوعالم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو جہاں دوسرے حضرات صحابہ کرامؓ نے ہجرت کی وہاں حضرت ابن ام مکتومؓ نے بھی ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے ذمہ اذان دینے کی خدمت لگائی۔ جس کو آپ کافی عرصہ تک بخوبی انجام دیتے رہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رمضان المبارک میں آپ کی اذان سن کر ہی لوگ کھانا پینا بند کر دیا کرتے تھے۔ گویا ان کی اذان کو اختتام سحری کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔

ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابن ام مکتومؓ کے دل میں بھی جہاد میں حصہ لینے کا شوق پیدا ہوا۔ باوجود اس کے وہ اپنی معذوری کی بناء پر اس کے مکلف نہ تھے۔ تاہم وہ کئی غزووں میں علم حق لے کر دو صفوں کے درمیان کھڑے ہو جاتے تھے اور اختتام لڑائی تک کوہ استقامت بن کر ڈٹے رہتے تھے۔ حضرت ابن ام مکتومؓ قرآن پاک کے بھی حافظ تھے اور مدینہ طیبہ میں لوگوں کو قرأت قرآن سکھایا کرتے تھے۔

سرکار دوعالم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت ابن ام مکتومؓ پر بھی باقی صحابہ کرامؓ کی طرح رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ ان کی ڈھارس بندھوائی اس کے بعد وہ خاموشی سے مدینہ طیبہ میں اپنے دن کاٹنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کا معقول وظیفہ بھی مقرر فرما دیا تھا۔ لیکن شوق جہاد فی سبیل اللہ نے ان کو گھر میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں عراق کو فتح کرنے کے لئے لشکر اسلام روانہ فرمایا تو حضرت ابن ام مکتومؓ بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے۔

علامہ ابن سعدؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس خون ریز معرکے قادسیہ جو عراق کو فتح کرنے کے لئے ہوا میں حضرت ابن ام مکتومؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ علامہ واقدی کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ لیکن ارباب سیر نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن ام مکتومؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ!

حکمران ہوتو ایسا ......!

مولانا محمد طارق نعمان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ کیونکہ اس ملک خداداد کی بنیادوں میں اہل حق نے اپنے خون سے آبیاری کی۔ اس کے نام سے یہ پتہ چلتا ہے اس کو چلانے والے بھی اس نام کے ہی ہوں۔ یعنی مسلمان۔ ملک کی سرحدوں کے محافظ بھی مسلمان۔ لیکن دین اسلام نے ہر مذہب کو ان کے حقوق دیئے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ نام کو بطور کام استعمال کیوں کر رہے ہیں۔ ہرگز نام کو کام کے طور پہ استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا نام خود ہمارے کام کو بتا دیتا ہے کہ آیا یہ اس نام کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ اسلام کے محافظ کبھی بھی اسلام کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ بلکہ ان کے کام سے نام کو روشنی ملے گی۔ خلیفہ وقت اگر صحیح سمت پہ چل رہا ہوگا اور اسلام کے نام پہ بننے والی مملکت کا محافظ حق بنے گا تو ہر کوئی اس کے نام کی اور کام کی تعریف کرے گا۔ آج بھی دنیا حضرت عمرؓ کے نام اور کام کو جانتی ہے۔ ایسا حکمران کہ رعایا کیا، اس کے دنیا سے جانے کے بعد حیوانات کو بھی روتے ہوئے دیکھا گیا۔ اس کے برعکس یہاں آنے پہ مٹھائیاں اور جانے پہ بھی مٹھائیاں۔ آنے پہ بھی شکرانے کے نوافل اور جانے پہ بھی شکرانے کے نوافل .... آخر کیوں؟۔

آج کا حکمران کبھی بھی اپنے آپ کو عوامی عدالت میں نہیں کھڑا کرے گا۔ لیکن آیئے میں آپ کو ایک ایسا حکمران بتاتا ہوں کہ جس نے اپنے آپ کو عوامی عدالت میں پیش کیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ بہت ہی بارعب اور نڈر تھے۔ لیکن انصاف ہمیشہ آپ کی عدالت سے ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ ایک دفعہ منبر رسول ﷺ پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک غریب شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے عمرؓ! ہم تیرا خطبہ اس وقت تک نہیں سنیں گے جب تک یہ نہ بتاؤ گے کہ یہ جو تم نے کپڑا پہنا ہوا ہے۔ یہ زیادہ ہے اور بیت المال سے جو کپڑا ملا تھا وہ اس سے بہت کم تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس مجمع میں میرا بیٹا موجود ہے۔ اس بات کا جواب میرا بیٹا دے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹا! بتاؤ کہ تمہارا باپ یہ کپڑا کہاں سے لایا ہے۔ ورنہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں قیامت تک اس منبر پر نہیں چڑھوں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ جو میرے بابا کو کپڑا ملا تھا۔ وہ بہت ہی کم تھا۔ اس سے ان کا پورا لباس نہیں بن سکتا تھا اور ان کے پاس جو لباس تھا وہ بہت خستہ حال تھا۔ اس لئے میں نے اپنا کپڑا بھی اپنے والد کو دے دیا جس سے ان کا پورا لباس بن گیا۔ سبحان اللہ! کیا عظیم لوگ تھے کہ جن کے سامنے ایک غریب آدمی بھی کھڑا ہو کر پوچھ سکتا تھا کہ: اے امیر المومنین! تقریر بند کیجئے اور یہ بتایئے کہ یہ پہنا ہوا کپڑا کہاں سے آیا؟۔ آج کے دور میں غریب کا اپنے حاکم سے پوچھنا تو در کنار دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ آپ نے ہمیشہ عدل اور انصاف کا جھنڈا لہرایا۔

اپنی رعایا کا خاص خیال رکھا۔ آپ کا مشہور قول آج بھی درد دل رکھنے والے ہر مسلمان کے کانوں میں گونجتا ہے اور دل پہ نقش کیا ہوا ہے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کتا بھی پیاس کی وجہ سے مرگیا تو کل قیامت کے دن اس کی پوچھ عمرؓ سے ہوگی۔

کوئی　لائے　مثال　ایسی　عدالت　ہو　تو　ایسی　ہو

جب آپ خلیفہ بنے تو آپ راتوں کو اٹھ کر مدینہ کی گلیوں میں پہرا دیا کرتے تھے۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ رعایا کو کوئی تکلیف تو نہیں۔ لوگ آرام سے سوتے۔ مگر حضرت عمرؓ اپنی نیند کو رعایا کے سکھ پہ قربان کردیتے۔ ایک رات حسب معمول آپ گشت پر تھے کہ ایک قافلہ کو دیکھا جس نے شہر سے باہر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ آپ نے سوچا کہ قافلہ والے تھکے ہارے ہوئے ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ چوران کے سامان کا صفایا کردے۔ یہ سوچ کر آپ اس قافلے کی طرف روانہ ہوگئے کہ اچانک ایک طرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تشریف لائے اور آپ کو دیکھ کہ حیرانگی سے بولے: امیرالمومنین! آپ اس وقت کہاں جارہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰنؓ! ایک قافلہ نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی چوران کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ اس لئے آؤ ہم دونوں ان قافلہ والوں کے سامان کی رکھوالی کریں۔ چنانچہ وہ دونوں عظیم صحابی ساری رات قافلے کی نگہبانی کرتے رہے۔ فجر کی اذان کا وقت ہوگیا۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اے قافلے والو اٹھو! نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ جب وہ لوگ نیند سے بیدار ہوئے تو حضرت عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ واپس تشریف لے گئے۔ ایسا حکمران ملنا آج کے اس دور میں مشکل ہے۔

کوئی　لائے　مثال　ایسی　حفاظت　ہو　تو　ایسی　ہو

جب مدائن فتح ہوا تو مال غنیمت کا ڈھیر مسجد نبوی میں لگایا گیا تو حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ایک ایک ہزار درہم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دیئے اور پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو پانچ سو درہم دیئے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ کی قیادت میں غزوات میں حصہ لیا جبکہ اس وقت حسنین کریمینؓ بہت چھوٹے تھے۔ لیکن آپ نے انہیں زیادہ رقم عطا فرمائی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ سن کر جلال آگیا اور فرمایا کہ عبداللہؓ! تم حسنین کریمینؓ کے مقابلے میں اپنے بارے میں پوچھتے ہو؟۔ تو جاؤ ان کے باپ (حضرت علیؓ) جیسا کوئی باپ لے آؤ۔ ان کی ماں (حضرت فاطمہؓ) جیسی کوئی ماں لے آؤ۔ ان کے نانا (تاجدار مدینہ ﷺ) جیسا کوئی نانا لے آؤ۔ ان کی نانی (حضرت خدیجہؓ) جیسی کوئی نانی لے آؤ۔ ان کے چچا (حضرت جعفرؓ) جیسا کوئی چچا لے آؤ۔ ان کی پھوپھی (حضرت ام ہانیؓ) جیسی کوئی پھوپھی لے آؤ۔ ان کے ماموں (حضرت ابراہیمؓ) جیسا ماموں لے آؤ۔ خدا کی قسم! عمرؓ کے پاس تم ان جیسا ایک رشتہ بھی نہ لاسکو گے۔ جب یہ سارا واقعہ حضرت علیؓ تک پہنچا تو حضرت علیؓ نے فرمایا عمرؓ! جنتیوں کا چراغ ہے۔ جب یہ بات سیدنا عمرؓ تک پہنچی تو عمرؓ بیقرار ہوگئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علیؓ میرے بھائی! یہ بات مجھے لکھ کردے دو۔ حضرت علیؓ نے لکھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے، انہوں نے جبرائیل علیہ السلام سے، انہوں نے اللہ رب العزت سے سنا کہ عمرؓ جنت کے چراغ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی کہ میں مروں تو یہ تحریر میرے

کفن میں رکھ دینا اور ان کے وصال کے بعد اس وصیت پر عمل کیا گیا۔اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ وہ حضرات ایک دوسرے کا بہت احترام بھی کرتے تھے اور خیال بھی رکھتے تھے۔اور ایک دوسرے کے مناقب بھی بیان کرتے تھے۔

کوئی لائے مثال ایسی محبت ہو تو ایسی ہو

حضرت عمر فاروقؓ کے انصاف کی یہ حالت تھی کہ جب آپؓ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دور دراز علاقے کا ایک چرواہا بھاگتا ہوا آیا اور چیخ کر بولا۔لوگو! حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ تم مدینہ سے ہزاروں میل دور جنگل میں ہو۔تمہیں اس سانحہ کی اطلاع کس نے دی؟۔چرواہا بولا! جب تک حضرت عمر فاروقؓ زندہ تھے۔میری بھیڑیں جنگل میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔لیکن آج پہلی بار ایک بھیڑیا میری بھیڑ کا بچہ اٹھا کر لے گیا۔میں نے بھیڑیے کی جرأت سے جان لیا آج دنیا میں حضرت عمر فاروقؓ موجود نہیں ہیں۔چنانچہ ان لوگوں نے جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ اسی روز حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے۔حضرت عمرؓ کے واقعات کو دیکھ کہ آج دل یہی دعا کرتا ہے کہ یا اللہ آج بھی کوئی عمر بھیج جو عمرؓ بن کے دکھائے۔اللہ تعالیٰ ہمارے حال پہ رحم فرمائے۔آمین!

لیہ میں جامع مسجد ختم نبوت کا سنگ بنیاد و ختم نبوت کانفرنس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لیہ کے زیر اہتمام ۵/جنوری ۲۰۱۴ء بعد نماز ظہر جامعہ اشرف المدارس لیہ میں ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔جس کی صدارت خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب نے کی۔کانفرنس سے حضرت مولانا اللہ وسایا، مولانا قاضی عبدالخالق، مولانا محمد حسین اور پیر طریقت حضرت مولانا عبدالقادر ڈیروی نے خطاب کیا۔محترم عزیز الرحمٰن شاہ نے نعتیہ کلام پیش کیا۔عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد تاجدار ختم نبوت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

ختم نبوت کانفرنس چوک اعظم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت چوک اعظم کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس بمقام جامع مسجد سیدنا صدیق اکبر مورخہ ۵/جنوری ۲۰۱۴ء بعد نماز عشاء منعقد ہوئی۔جس کی صدارت خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب نے کی۔محترم جناب عزیز الرحمٰن شاہ نے نعتیہ کلام پیش کیا۔شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی، مولانا قاضی عبدالخالق، مولانا اللہ وسایا و دیگر علماء کرام نے کانفرنس سے خطاب کیا۔چوک اعظم مجلس کے ذمہ دار حضرات، حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین، محترم قاری ابوبکر، محترم عبدالرؤف نفیسی و دیگر حضرات نے بڑے احسن انداز میں کانفرنس کے انتظامات کئے ہوئے تھے۔

فتنہ انکار حدیث ...... ماضی وحال کے تناظر میں

قسط نمبر:1

مولانا محمد رضوان عزیز

وادیٔ فاران سے طلوع اسلام ہونا تھا کہ تمام دشمنان اسلام حرکت میں آ گئے اور ہر طرح سے اس چراغ آخر شب کو بجھانا چاہا اور شیطانی فرستادوں نے بھرپور کوشش کی کہ یہ آفتاب طلوع نہ ہونے پائے۔ مگر وہی ہوا جو ازل سے طے شدہ تھا۔ آفتاب نبوت نے شرک وکفر کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو پاش پاش کردیا۔ لیکن شیطان کو بھی تو صبح قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے۔ اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور اسلام کے قدرتی پھیلاؤ کو مسدود کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ کبھی قرآن کو لفظی کج بحثیوں سے ناقابل اعتماد بنانے کی کوشش کی اور کبھی جناب رسول کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو ہدف تنقید بنایا۔ شیطان کے برپا کردہ فتنوں نے اپنے اپنے دور میں دین اسلام کا راستہ روکنے کی ہر ممکنہ کوشش کی۔ لیکن سردست جس شیطانی ہتھکنڈے کا تعارف اور اس سے دین حق کا دفاع مقصود ہے۔ وہ پیغمبر ﷺ کے اقوال وافعال کی حجیت کا انکار ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے جو فتنہ انکار حدیث اٹھا۔ وہ خوارج کی عقلی بے راہ روی کا نتیجہ تھا اور ساتھ پھر معتزلہ کی مذموم مساعی نے گل کھلائے اور یہ دونوں وہ تھے جو عقل پرستی اور ظاہر پرستی کی انتہا پر تھے۔ خوارج معتزلہ تو قصۂ پارینہ ہوئے اور تاریخ کی بے رحم سرچ لائٹ نے بہت جلد ان کے خدوخال واضح کردیئے۔ اس لئے گڑھے مردے اکھاڑنے کی بجائے عصر حاضر کے منکرین حدیث اور اسباب انکار حدیث پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تاکہ اہل ایمان ان شیطانی وساوس سے خود کو بچا سکیں۔ استشراق کیا چیز ہے؟

اگر ہم استشراقیت کے پس منظر پر غور کریں تو ایک تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں صلیبی جنگوں میں پے در پے شکست کھانے کے بعد عیسائیت ویہودیت کی طرف سے شروع کی گئی علمی وروحانی سرد جنگ کا نام استشراق ہے۔ جس میں اسلامی علوم وفنون اور تاریخ کو ایسے احسن انداز سے مسخ کیا جاتا ہے کہ بقول شاعر۔

نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی

اسلام کی ایسی گھناؤنی تصویر پیش کرنے والے لوگ عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں۔ نادان دوست، دانا دشمن، جاہل بدخواہ، نادان دوست تو وہ ہیں جو اس بڑھیا کی طرح ہو جس نے شہباز کے بال وپر از راہ ہمدردی کاٹ دیئے اور اپنے زعم میں اس کی نوک پلک سنوار دی۔ لیکن حقیقت میں دشمنی کی کہ نہ اڑنے کے قابل چھوڑا اور نہ شکار کرنے۔ بالکل ایسے ہی بعض نادانوں نے مستشرقین کے اعتراضات سے بچنے اور اسلام کو ان لوگوں کی نظر میں عزت دلوانے کے لئے جن کی اپنی کوئی عزت نہیں ہے احادیث کا انکار کردیا اور اسے محض ایک تاریخی افسانہ قرار دے دیا تاکہ لوگوں کو قرآن اور اسلام پر اعتراض نہ رہے۔ یہ نادان دوست تھے اور دوسرے تھے دانا دشمن ان لوگوں نے اسلام کی عالمگیریت کو دیکھا۔ اس ہمہ جہت آفاقی دستور کو سمجھا اور یہ جان گئے کہ اسلام کے راستے میں طاقت اور دلیل کے ساتھ بند نہیں باندھا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ سچا دین ہے اور سچائی کا مقابلہ جھوٹ سے نہیں ہوسکتا۔ سوائے اس کے کہ شکوک وشبہات کی راہ سے

اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جائے اور مسلمان جو کہ ملت واحدہ ہیں ان کو اپنے اسلاف سے بدگمان کر کے مختلف فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ پس انہوں نے تحقیق کے نام پر شکوک وشبہات اور تلبیس والحاد کا وہ جنگل اگایا کہ بس رہے نام اللہ کا۔ کبھی فقہاء کرام کو ہدف تنقید، کبھی محدثین عظام کو دشنام، کبھی حضرات صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع اور کبھی اہل بیت پر زبان درازی یہ سب قبیح حرکات ان سمجھدار دشمنوں کی تھیں جنہوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے ہمارا کندھا استعمال کیا اور خود پردہ سکرین پر ناچنے والی پتلیوں کی پس پردہ بیٹھ کر نگرانی کی۔ تیسرے وہ بدخواہ جاہل ہیں جو نہ تو عظمت قرآن سے واقف تھے نہ مقام حدیث سے اپنے گلے میں غیروں کا ڈالا ہوا ڈول پورے اخلاص کے ساتھ پیٹنے لگے اور اپنی سیکس زدہ ذہنیت اور شورش پسند طبیعت کو ترازو بنا کر احادیث اور قرآن کو تولنا شروع کر دیا۔ دشمن کے پھیلائے ہوئے دام ہمرنگ زمیں کا شکار ہو کر فقہ وحدیث اور بالآخر قرآن پاک کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

اب آتے ہیں استشراق کی اس تحریک کی طرف جس نے دین کے بنیادی مسلمات اس انداز سے بیان کئے کہ بظاہر اسلام کی عزت وعظمت کی وضاحت کی، اس کی عالم انسانیت کے لئے کی گئی خدمات کو سراہا، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں قصیدہ پڑھا اور ساتھ ہی گویا کہ چونکہ، چنانچہ، اور لیکن کی ایسی پیوند کاری کی کہ پھر اس لیکن اور چونکہ کی دلدل میں گرتے تو کئی دیکھے گئے مگر نکلتا کوئی نہ دیکھا گیا۔ الا یہ کہ کسی پر خدا ہی رحم فرمادے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں جب تاتاریوں نے بغداد کو تخت وتاراج کیا اور پھر صرف دو سال بعد عین جالوت میں سلطان المظفرؒ کی سربراہی میں کمانڈر ظاہر بیبرس کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا کر ہمیشہ کے لئے پسپا ہو گئے اور ادھر دوسری طرف صلیبی قوتیں بھی مسلسل شکستیں کھانے کے بعد اسلامی شان وشوکت کے سامنے ایسی بدحواس ہوئیں کہ ”نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم“ نہ تو اسلام کو قبول کئے بنے، نہ اسلام کو چھوڑے بنے۔ حتیٰ کہ ۱۲۹۱ھ میں سلطان الملک الاشرفؒ کے ہاتھوں مکہ کی آخری اور فیصلہ کن شکست کے بعد صلیبیوں کی مذہبی قیادت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور دو باتوں نے تو ان کی فہم ودانش کو مبہوت کر دیا تھا کہ اگر تاتاری مسلمانوں کی دعوت قبول کر کے حلقۂ بگوش اسلام ہو گئے تو مسلمانوں کی طاقت کئی گنا بڑھ جائے گی اور دوسرا یہ کہ پوپ اربن ثانی کی شروع کردہ صلیبی جنگوں کے عبرتناک خاتمہ کے بعد کون سی مسیحی طاقت ہے جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ اس خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے اس دور کے مشہور مسیحی مبلغ ریمنڈس للس کہتے ہیں: ”اگر نسطوری عیسائیوں کو اپنی صف کیتھولک میں شریک کر لیا جائے اور تاتاریوں کو عیسائی بنا لیا جائے تو سارے سراسین (مسلمان) آسانی تباہ کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن خوف یہ بھی ہے۔ اگر ان تاتاریوں نے ترغیب وتحریص کے باعث شریعت محمدیہ تسلیم کر لی تو پھر عالم عیسائیت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا۔“ (بحوالہ اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین کا انداز فکر از جیلانی ص ۱۶۹)

اور پھر وہی ہوا جس کا دنیائے عیسائیت کو خوف تھا اور تاتاری نہ صرف مسلمان ہو گئے بلکہ اسلام کا بازوئے شمشیر زن بن کر نئی تاریخ رقم کرنے لگے۔ اقبال نے کیا خوب کہا۔

عیاں ہے یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

(جاری ہے)

بین المذاہب ہم آہنگی

آخری قسط

شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق مدظلہ

ہم آہنگی کی نویں صورت

کفار نے پیشکش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودان کی عبادت کریں۔ ایک سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون اتاری۔ یہ سورۃ التوحید ہے۔ یہ سورۃ شرک وعبادت سے براءۃ ہے۔ یہ سورۃ نازل ہوئی کہ کافر اس قسم کی طمع نہ کریں۔ حاصل یہ کہ میں تمہارے خداؤں اور معبودان سے بری ہوں۔ مفسرین نے کہا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے معبودان کی سال بھر عبادت طلب کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ! ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرا سکتے۔ یہ سورت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ مسجد حرم میں تشریف لے گئے۔ وہاں مشرکین کی جماعت تھی۔ ان کے سامنے کھڑے ہوکر یہ سورت سنائی۔ پس مشرکین ناامید ہوگئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو تکالیف پہنچائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا معبود اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ میں اس حق کی عبادت کرتا ہوں جو رب العالمین ہے اور تم بتوں کی عبادت کرتے ہو ''عبادۃ الرحمن'' اور ''عبادۃ الاوثان'' میں کتنا فرق ہے، میں نہ حال میں اور نہ استقبال میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کرسکتا۔

''لکم دینکم ولی دین'' یہ آیت بیان جزاء اعمال ہے: ''ای لکم شرککم'' یعنی تمہیں تمہارے شرک کی سزا ملے گی ''ولی دین'' اور میرے لئے دین توحید کی جزاء ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا گیا ''لنا اعمالنا و لکم اعمالکم'' تفسیر مدارک، تفسیر قرطبی، روح المعانی اور دیگر بعض مفسرین نے ان آیات کو جہاد کی اجازت سے پہلے پر محمول کیا ہے: ''ھذا قبل ان یومر بالحرب'' (جلالین) یہ آیت جہاد سے منسوخ ہے (تفسیر ابن عباس) ''ولی دین الاسلام و الایمان باللّٰہ نسختھا آیۃ القتال'' یہ اعلان براءت کے لئے ہے۔ مشرکوں کی پیشکش کے رد کے لئے ہے ''لکم دینکم ولی دین'' جزائے اعمال کے لئے، ہر ایک کو اپنے اپنے عملوں کی جزاء ملے گی۔

بین المذاہب ہم آہنگی کا قائل ایک مفسر لکھتا ہے: ''یہ رواداری کا ایک ایسا میثاق ہے جس میں واضح الفاظ میں غیر مسلموں کو اجازت دے رہے ہیں کہ اپنے مذہب، اپنی روایات، معاملات، مسائل پر قائم رہیں: ''لکم دینکم ولی دین'' یہ دو جملے رواداری اور وسعت قلب کا ایسا چارٹر ہے جس پر آج دنیا کی کوئی قوم نہیں۔

توجہ فرمائیں! فاضل مفسر لکھتا ہے کہ قرآن اجازت دیتا ہے وہ اپنے مذہب، اپنی روایات اور معاملات پر قائم رہیں۔ نعوذ باللہ اور قرآن مشرک بننے کی اجازت دیتا ہے جس کی رد کے لئے سب انبیاء علیہم السلام آئے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک کا داعی نہیں۔ مگر یہ صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کا قانون اور اصول دین میں کسی صلح، رواداری کی کوئی گنجائش نہیں۔ حدیث پاک میں ہے: ''ما انتقم رسول اللّٰہ ﷺ لنفسہ قط الا ان تنتھک حرمۃ اللّٰہ فینتقم للّٰہ بھا وفی

روایة کان اشد غضبا لله تعالی ''حضور ﷺ نے اپنے نفس کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا۔لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا حکم توڑا جاتا تو حضور ﷺ انتہائی غضبناک ہوتے تھے۔اس تفصیل کے بعد مفسر کے استدلال کا غلط ہونا واضح ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے بارے میں ایک سکالر لکھتا ہے:''رحمۃ للعالمین ﷺ نے آکر اسی دین حنیف کی طرف دعوت دی۔اسلام دیگر مذاہب کی سچائی کی تردید نہیں کرتا۔بلکہ اس کو تسلیم کرتا ہے۔اس کی ترجمانی کرتے ہوئے اس سلسلے کو آگے بڑھاتا ہے۔اسلام نے توحید، رسالت، آخرت کے متعلق وہی عقائد بتلائے جو باقی ادیان میں ہیں۔''واضح ہو کہ باقی ادیان کی جس سچائی کی اسلام نفی نہیں کرتا۔اس سے مراد باقی انبیاء علیہم السلام کی سچائی ہے۔سب انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک ہے۔سب کا دین واحد ہے۔جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:''الانبیاء بنو العلات ''یعنی سب کا دین ایک ہے۔

یاد رکھیں! فاضل نے تحریر میں تاثر دیا ہے کہ اسلام اپنے علاوہ باقی ادیان کی یعنی ادیان باطلہ کی سچائی کی نفی نہیں کرتا۔یہ صراحۃً غلط ہے۔اسلام تمام ادیان باطلہ کو رد کرتا ہے اور ان کی سچائی کی نفی کرتا ہے۔اسلام کے علاوہ باقی ادیان کی سچائی بیان کرنا صراحۃً غلط ہے۔اس سے شرک کی تائید لازم آتی ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی کی تائید میں ایک محقق رقم طراز ہیں:''انتہا پسندی اور تشدد اس وقت جنم لیتا ہے جب کوئی قوم، گروہ یا فرد تصور کرے کہ صرف حق اس کے پاس ہے۔بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر بھی مسلط کرے۔اگر مخالف نہ مانے، تشدد کیا جائے۔اس سے بزور بازو منوایا جائے۔یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ اور جنگوں کو جنم دیتی ہے۔ملاحظہ فرمائیں کہ یہ محقق لکھ رہے ہیں:''جب کوئی قوم، گروہ، فرد یہ تصور کرے کہ حق صرف اس کے پاس ہے'' اس سے لازم آتا ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ صرف حق ان کے پاس ہے۔یہ صراحۃً اسلام کی حقانیت کی نفی ہے۔اسلام کی تبلیغ کے لیے جو جہاد مشروع ہوا ہے اس کا صریح انکار ہے۔اس سے تبلیغ اسلام اور منکرین کے ساتھ جہاد کی نفی کی گئی ہے۔بلکہ اس کو دہشت گردی کہا گیا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:'' امرت ان اقاتل الناس حتی یشهد و ان لااله الا و ان محمد رسول ''حضور ﷺ کو حکم ہوا:'' یا ایها النبی جاهد الکفار و اغلظ علیهم ''اے نبی! کفار سے جہاد کیجیے۔ان پر سخت ہو کر رہیے۔''حکم ہوا:''اعدوا لهم ما استطعتم ''دشمنوں کے مقابلے میں حتی الوسع تیاری رکھیے۔قوت پیدا کرو اور صدری گھوڑے پر باندھو، اپنے دشمنوں اور میرے دشمنوں کو ڈراؤ۔فرمایا:''قاتلوهم حتی لا تکون فتنة ''ان سے قتال کرو۔تاکہ فتنہ کفر نہ رہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے قائل ایک مسلم، مذہب کے اصول بیان کرتے ہیں:''رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر شخص کو اس کے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔اس کی راہ میں کسی قسم کے روڑے نہ اٹکائے جائیں۔اس حوالہ سے بہترین اصول یہ ہے کہ''ہر مذہب قابل احترام ہے۔''

ملاحظہ فرمائیں! یہ بات اس درجہ تک تو صحیح ہے کہ اگر کافر حکومت اسلامی کی بالادستی مان لیں اور معاہدہ کرلیں، ہم وفادار شہری رہیں گے تو ان کو اپنے ماحول میں مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔لیکن اس کی ہرگز اجازت نہ ہوگی کہ وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور مسلمان اس کا احترام کریں۔مثال کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ کو گالی دیں، ہم ان کا احترام کریں۔وہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہیں، ہم ان کا احترام کریں۔وہ حضور ﷺ کی ختم نبوت کا انکار

کریں اور ہم اس کا احترام کریں۔ وہ صحابہ کرامؓ کو گالیاں دیں اور ہم احترام کریں۔ یہ صریح مداہنت فی الدین ہے۔

الحاصل! اسلام کے علاوہ تمام مذاہب آپس میں اتحاد کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ تمام باطل ہیں۔ ایک باطل دوسرے باطل سے ہم آہنگ ہوسکتا ہے۔ لیکن اسلام حق ہے۔ یہ باطل کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔ اسلام کی کوئی بات چھوڑی نہیں جاسکتی۔ اگر کوئی مسلمان اسلام کی کسی بات کو چھوڑنے کی بات کرتا ہے تو وہ اسلام کا منکر ہے اور نہ غیر اسلام کی بات اسلام میں داخل ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی غیر اسلام کو داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اسلام کی کاملیت کا منکر ہے۔ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو ناجی سمجھتا ہے تو وہ اسلام کی حقانیت کا منکر ہے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اسلام کے علاوہ بھی خوبیاں ہیں تو وہ اسلام کی ابدیت کا منکر ہے۔ اس لئے کہ کسی مذہب میں جو بھی خوبی ہے۔ وہ اسلام سے لی گئی ہیں۔ لیکن اسلام نے کسی سے خوبی نہیں لی۔ لہٰذا اسلام کے ساتھ دوسرے مذاہب کا اتحاد ناممکن۔ نیز اس تحریک کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اسلام کو ناقص سمجھتا ہے۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوگیا ہے کہ اسلام کے ساتھ غیر مذہب کی ہم آہنگی کی جتنی صورتیں متصور ہوسکتی ہیں۔ اسلام ان سب کی نفی کرتا ہے۔

سوال …… اسلام دیگر اہل مذاہب سے کیا سلوک روا رکھتا ہے؟

جواب …… دوستانہ تعلقات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ البتہ خیر خواہانہ تعلقات کی اسلام اجازت دیتا ہے۔

اور اس کی تین صورتیں ہیں:

اہل مذہب سے تعلقات

معاملات …… ان سے ضرورت کے مطابق معاملات کرسکتا ہے۔ مثلاً تجارت، ملازمت، اجرت، صنعت وحرفت کے معاملات جائز ہیں۔ کیونکہ یہ انسانی ضرورتیں ہیں۔

مواسات …… نیز مواسات جو انسانی ہمدردی، خیر خواہی، احسان وسلوک، بھوکے کو کھانا کھلانا، بیمار کا علاج کرنا وغیرہ جائز ہے: ”لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم “اللہ تعالیٰ” جو تم سے قتال نہیں کرتے، تمہیں گھروں سے نہیں نکالتے“ ان سے احسان وسلوک سے منع نہیں کرتا۔ اسلام جو کتے، بلی کے ساتھ رحم سکھاتا ہے، وہ غیر مسلموں پر بھی رحم سکھاتا ہے۔ اس لئے اسلام کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مدارات …… کافروں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا، اسلام اس کی بھی اجازت دیتا ہے۔ لیکن اس کے لیے تین شرائط ہیں: ۱…… دفع مضرت کے لئے۔ ۲…… دین لانے کی امید کے لئے۔ ۳…… ایمان ہونے کی صورت میں مہمان نوازی کے لئے۔ کسی دنیاوی نفع کے لئے کافر سے خندہ پیشانی کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔

بہرحال رواداری، حسن سلوک اور انسانی حیثیت سے تعلقات کافروں سے بھی جائز ہیں۔ لیکن دینی معاملات میں لچک یا مداہنت جائز نہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم آہنگی اور رواداری کا محل مذہب نہیں، اہل مذاہب ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اگر کوئی غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ مصیبت زدہ یا محتاج مدد ہے تو اس کی مدد کرنا اور تکلیف دور کرنا محض انسانی واخلاقی نہیں، اسلامی فریضہ بھی ہے۔ آفت زدہ (سیلاب، زلزلہ وغیرہ) علاقوں

میں لباس اور خوراک یا ادویات تقسیم کرتے وقت مسلم وغیر مسلم میں امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح جن ممالک میں مسلم وغیر مسلم ملے جلے رہتے ہیں اور باہمی تنازعات کی صورت میں فسادات کا اندیشہ ہو جس کے نتیجے میں بے گناہوں کے جان و مال کا اتلاف ہوتا ہو تو ایسے ممالک میں ذی اثر غیر مسلموں سے اسی طرح کا مکالمہ، معاملہ اور تعلق وسلوک رکھنا، جس سے حدود شریعت منہدم نہ ہوں۔ لیکن منازعت کی صورت میں ان کی مداخلت وتعاون سے فسادات کا خطرہ ٹل سکتا ہو، تو غیر مسلموں سے اس نوع کا تعلق وسلوک اور باہمی مکالمہ بھی ممنوع نہیں ہے۔ جو غیر مسلم ممالک مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، ان کی حکومتوں اور وہاں کی انتہاء پسند تنظیموں کے ظالم اور جارح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان سے تعاون وتناصر اور سلوک وہمدردی اسلامی ودینی غیرت کے خلاف ہے۔ البتہ ان ممالک کے عوام میں بہت سے لوگ ظلم ودہشت گردی کے مخالف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور حسن معاملہ اور مکالمہ کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر ظلم ودہشت گردی ختم یا کم کر سکتے ہیں۔

بین المذاہب ہم آہنگی کے قائل حضرات کی خدمت میں

ا...... کیا آپ ان ہندوؤں سے ہم آہنگی کرنا چاہتے ہیں جو کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں؟ کیا آپ ان عیسائیوں سے ہم آہنگی کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے عراق پر حملہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا اور افغانستان کی سرزمین کو گیارہ سال سے پامال کر رہے ہیں؟ یا جو پاکستان پر ڈرون حملے کر کے ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہے ہیں، مدارس اور مساجد کو شہید کر رہے ہیں؟ کیا آپ ان ظالم بدھوؤں سے ہم آہنگی کی تجویز دے رہے ہیں جنہوں نے برما میں ہزارہا مسلمانوں کو شہید کیا اور ہزاروں دیہات جلا دیئے؟ کیا آپ یہودیوں سے ہم آہنگی کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے فلسطین کو جنگی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں سے حملہ کر کے تباہ کیا اور غزہ کی پٹی کے ہزاروں مسلمان ان کی جیلوں میں پڑے ہیں؟ کیا آپ دشمنان صحابہؓ سے ہم آہنگی کو جائز سمجھتے ہیں جنہوں نے بشار الاسد کی حمایت میں ایران اور حزب اللہ کی مدد سے ملک شام میں بیس ہزار سے زائد مسلمان شہید کر دیئے اور کئی شہر جیٹ طیاروں کی بمباری سے تباہ کر دیئے؟ یمن میں ایک غالی رافضی فرقہ شمالی علاقوں کے مسلمانوں کو شہید کر رہا ہے؟ صومالیہ، مالی، نائیجیریا اور چیچنیا میں مسلمانوں کو شہید کیا جا رہا ہے۔

لبرل ازم کا تصورِ معاشرت

آج کل آزادی اور رواداری یہ ہے کہ ہر پھول کو کھلنے دو۔ کوئی کسی عقیدہ اور نظریہ پر تنقید نہ کرے۔ ہر شخص ہر قسم کا عقیدہ رکھ سکتا ہے۔ اس کو عقیدہ اور نظریہ میں کھلی آزادی ہے۔ جو چاہے عقیدہ رکھے، جب چاہے بدل لے۔ اسی طرح ہم آہنگی کے قائل حضرات کہتے ہیں کہ رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر شخص کو اس کے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی دی جائے۔ اس کی راہ میں کسی قسم کے روڑے نہ اٹکائے جائیں۔ اس حوالہ سے بہترین فارمولا یہ ہے کہ ہر مذہب قابل احترام ہے۔

اس تناظر میں بین المذاہب ہم آہنگی لبرل ازم کے مقدمہ کا کام دے رہی ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی کے قائل حضرات سے سوال ہے کہ آپ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں یا لبرل ازم کی راہ ہموار کر رہے ہیں؟

ایک ہفتہ ...... حضرت شیخ الہندؒ کے دیس میں

(ہمارے مخدوم مولانا عبداللطیف صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی نے سرخی بدل دی۔ادارہ)

قسط نمبر:3 مولانا اللہ وسایا

تھانہ بھون سے گنگوہ حاضری ہوئی۔گنگوہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت ابوسعید گنگوہیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تین شخصیات اپنے زمانہ کی نامور شخصیات تھیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ولادت ۸۶۰ھ اور وفات ۹۴۴ھ ہے۔ چوراسی سال عمر پائی۔ اٹھائیس واسطوں سے آپ کا شجرۂ روحانی آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تک پہنچتا ہے۔آپ کے اور شیخ جلال الدینؒ کبیرالاولیاء کے درمیان تین واسطے ہیں۔اسی طرح شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کے جدامجد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ تھے۔شیخ ابوسعید گنگوہیؒ نے شیخ نظام الدین بلخیؒ سے خلافت حاصل کی۔جوایک واسطہ سے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے سلسلہ سے جڑتے ہیں۔گنگوہ کی آبادی اب تو متصل ہوگئی ہے۔ پہلے اس کے دو حصے تھے۔ایک کو گنگوہ شہر کہتے تھے۔دوسرے حصہ کا نام سرائے تھا۔تینوں شخصیات گنگوہ کے حصہ سرائے سے تعلق رکھتے تھے۔پہلے کہیں پڑھا ہے کہ حضرت مجددالف ثانیؒ کے والدگرامی بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے بیعت تھے۔حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور حضرت ابوسعید گنگوہیؒ کے مزارات پر تو حاضری نہ ہوسکی۔البتہ حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کے مزار مبارک پر حاضری سے سرفراز ہوئے۔شہر کے چوک سے سرکلر روڈ پر شمال مغرب میں کشادہ سڑکوں پر سفر کرتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ کے مزاراقدس پر حاضر ہوئے۔پانچ چھ کنال پر مشتمل چاردیواری میں بلندوبالا درختوں کے نیچے حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ آرام فرماہیں۔آپ کے ساتھ میں آپ کی صاحبزادی کا مزارمبارک ہے جو اپنے وقت کی نامور محدثہ تھیں۔حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے ان کو سند حدیث کی اجازت ملی تھی۔حضرت گنگوہیؒ کے قدموں میں آپ کے صاحبزادہ مسعود احمد صاحبؒ آرام فرماہیں۔ایک آدھ قبراور بھی ہے۔ان مزارات کے ساتھ ابتداء میں داخل ہوتے ہی مسجد ہے۔اس مسجد کے حجرہ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغی جماعت، حضرت شیخ الہندؒ اور پتہ نہیں کون کون بزرگ تشریف لائے۔مزارات پر حاضری دی۔مولانا زاہدالراشدی، حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان کے صاحبزادہ ہیں اوروہ مولانا حسین علی واں بھچراں سے مجاز تھے۔مولانا راشدی صاحب میں وہ رنگ ہے۔فقیر مزارات پر جس ماحول کا متمنی تھا وہ ان کی وجہ سے بن نہ سکا۔خلوت کا مزہ اپنا ہے۔تاہم دل حزیں کو جگہ جگہ تسکین کے سرچشموں پر لے کر تو گیا، کہیں کہیں دل پگھلا بھی لیکن ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔محبت واخلاص سے یہاں حاضری کی کیفیات کی تفصیل کیا عرض کی جائے۔ حضرت گنگوہیؒ کو دیوبندی مسلک کے حوالہ سے رأس المال کہا جاتا ہے۔ بقول حضرت قاری محمد طیبؒ ’’آپ دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے اور سربراہ بھی۔‘‘ آپ کی تحقیقات کے خلاف تحقیقات دیوبندی مسلک سے اعتزال کی راہ ہے۔آپ دیوبندی ذوق کا معیار ہیں۔آپ کو ہند کا ابوحنیفہؒ بھی کہتے ہیں۔آپ علم وفضل کا وہ پہاڑ

ہیں جس کی چوٹی اس دور میں سر کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ آپ کے مزار کے مشرق کی دیوار کے ساتھ کسی سرکاری ادارہ کی بلڈنگ ہے۔ اس کی باؤنڈری وال بلند کی جارہی تھی۔ مزار مبارک سادہ کچی قبر مبارک مٹی کی ڈھیری ہے اور بس۔ جیسے عام قبرستانوں کی کچی قبریں ہوتیں ہیں۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

مولانا رشید احمد گنگوہی ۶/ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء اپنے ننھیال کے ہاں گنگوہ میں سوموار کے دن پیدا ہوئے۔ آپ کے ننھیال کا گھر شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار اقدس سے تیس قدم کے فاصلہ پر ہے۔ جہاں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب دادی کی جانب سے گیارھویں پشت پر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے ملتا ہے۔ آپ کے وصال کے تین سو سال بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے آگے چل کر حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ شریف کے در و دیوار کو رونق بخشی اور ایک بار پھر گنگوہ کی عظمت رفتہ کا چار دانگ عالم میں چرچا کر دیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے والد گرامی کا نام مولانا ہدایت احمد گنگوہیؒ تھا۔ مولانا ہدایت احمد نے دینی تعلیم حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے حاصل کی اور آپ کی روحانی تربیت شیخ غلام علی دہلویؒ کی مرہون منت ہے۔ بتیس سال کی عمر میں ان کا وصال ۱۲۵۲ھ ہجری میں ہوا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس وقت سات سال کے ہوں گے۔ پہلے آپ کے دادا قاضی پیر بخشؒ پھر ماموں مولانا محمد نقی صاحبؒ نے آپ کی کفالت کی۔ بچپن میں ہی بچوں کے کھیل کود سے دلچسپی نہ تھی۔ والدہ ماجدہؒ سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔ میاں جی قطب بخشؒ سے آپ نے فارسی کی کتب پڑھیں۔ اسی طرح مولانا محمد تقیؒ، مولانا محمد غوثؒ سے بھی فارسی کی کچھ کتب پڑھیں۔ ابتدائی صرف ونحو مولانا محمد بخش رامپوریؒ سے پڑھیں۔ حزب البحر اور دلائل الخیرات کی اجازت بھی مولانا محمد بخش رامپوریؒ سے آپ کو حاصل ہوئی۔ انہیں کے مشورہ پر آپ عربی کی مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے۔

مولانا مملوک علی نانوتویؒ جو مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے والد گرامی تھے۔ وہ اس وقت دہلی میں پڑھاتے تھے۔ اس وقت دہلی میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ اور شاہ احمد سعید دہلویؒ اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ کی درس گاہوں کا خوب عروج تھا۔ مولانا مملوک علیؒ، مولانا رشید الدین خانؒ کے شاگرد تھے اور وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا مملوک علیؒ اپنے قصبہ نانوتہ گئے تو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ لائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رامپور سے دہلی آئے تو مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کے ہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔ گویا شمس وقمر دونوں کا اکٹھ ہوگیا۔ ذہین شاگرد کو لائق استاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک فاضل استاذ بھی ذہین شاگرد کو پاکر خوشی محسوس کرتا ہے۔ اب مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مولانا مملوک علی صاحبؒ سے تعلیم کیا حاصل کی کہ ان کے فیض سے پورا ہندوستان نہیں، پورا عالم جگمگا اٹھا۔ (یاد رہے سر سید احمد خاں علی گڑھیؒ بھی مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد تھے)

علماء جانتے ہیں کہ میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ کتنی مشکل کتابیں ہیں۔ لیکن مولانا گنگوہیؒ اور مولانا

نانوتویؒ ان کتابوں کو ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ فرفر پڑھتے تھے۔ کہیں ترجمہ کی ضرورت ہوتی تو استاذ بتادیتے۔ باقی طلباء نے کہا کہ یہ بے سمجھے پڑھتے ہیں۔ مولانا مملوک علیؒ نے فرمایا میرے سامنے کوئی طالب علم بے سمجھے نہیں چل سکتا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے علاوہ مولانا مفتی صدرالدین آزردہ دہلویؒ سے بھی اکتساب کیا۔ مفتی صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور مولانا محمد اسحق دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حدیث مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے پڑھی۔ حضرت نانوتویؒ بھی آپ کے ہم سبق تھے اور یہ جوڑی اپنی ذہانت اور تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے ہر استاذ کی آنکھوں کا تارا بنی رہی۔ شاہ عبدالغنی مجددیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقہ نقشبندیہ کے متمسک تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام شاہ ابوسعیدؒ تھا۔ شاہ عبدالغنیؒ کا سلسلہ نسب وسلسلہ سلوک آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانیؒ سے جا کر ملتا ہے۔ گویا حضرت مجدد صاحبؒ آپ کے بزرگوار تھے۔

حضرت گنگوہیؒ نے معقولات کی اکثر کتب، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، معانی وغیرہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھیں۔ صحاح ستہ مکمل حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے پڑھیں۔ شرف تلمذ مفتی صدرالدینؒ، مولانا شاہ احمد سعیدؒ، مولانا قاضی احمد دینؒ پنجابی سے بھی رہا۔ آپ کی ذہانت کا اس سے اندازہ کریں کہ آپ کی مدت تعلیم دہلی میں چار سال بنتی ہے۔ اس قلیل عرصہ میں اتنی زیادہ تعلیم کا حاصل کرنا آپ کی کمال ذہانت کی دلیل ہے۔ تعلیم ومطالعہ کے لئے سولہ گھنٹے مقرر کر رکھے تھے۔ آرام، کھانے پینے اور نمازوں کے لئے آٹھ گھنٹے تھے۔ اب جو شخص چوبیس گھنٹوں میں سے سولہ گھنٹے مطالعہ کتب کے لئے وقف رکھے گا اس کے انہاک مطالعہ کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے ماموں تین روپے ماہوار آپ کو بھیجتے تھے۔ پورے مہینہ کا تمام خرچہ بمع کھانا آپ اسی سے پورا کرتے تھے۔ آپ کے استغناء کا یہ عالم تھا ایک شخص نے کیمیا بنا کر دکھلا دیا اور نسخہ بھی دے دیا۔ آپ نے کتاب میں رکھ چھوڑا۔ تعلیم مکمل ہونے کے سالہا سال بعد کسی نے پوچھا تو کتاب سے نکال کر دے دیا۔ اس نے نقل کر کے بنایا تو کیمیا بن گیا۔ آپ نے وہ نسخہ پھاڑ دیا۔ فرمایا کہ مجھے اس سے کیا سروکار ہے۔ میرے یہ کس کام کا ہے؟

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ زمانہ طالب علمی میں چھوٹے درجہ کے طلباء کو پڑھاتے بھی تھے۔ اس پہلی کلاس میں پڑھنے والے ایک طالب علم کا نام ملا محمودؒ تھا۔ جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے استاذ تھے۔ جن سے حضرت شیخ الہندؒ نے انار کے درخت کے نیچے پڑھنا شروع کیا تھا۔ دیوبند کے پہلے استاذ محمودؒ اور پہلے شاگرد بھی محمودؒ تھے اور مجھے بھی مولانا مفتی محمودؒ کے صاحبزادہ اور جانشین دیوبند لے کر ان کے قدموں میں پہنچایا۔ یہ پہلے استاذ مولانا گنگوہیؒ کے پہلے شاگرد تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے انچاس سال پڑھایا۔ آپ کے شاگردوں کی آخری جماعت میں آپ کے آخری شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ بھی تھے۔ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے والد گرامی تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے پہلے شاگرد ملا محمودؒ سے آخری شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ تک آپ کے علم کی بہاروں کو جمع کیا جائے تو علم کی دنیا میں ایک ابدی موسم بہار آجائے۔ مولانا محمد نقیؒ آپ کے ماموں تھے اور والد گرامی ودادا مرحوم کے بعد آپ کے کفیل بھی تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کی عمر جب اکیس سال کو پہنچی تو ماموں نے اپنی صاحبزادی کا آپ سے نکاح

کردیا۔ اس عمر میں تحصیل علم کے بعد قرآن مجید گھر پر خود یاد کیا۔

آپ کے ساتھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا خیال مبارک تھا کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ سے بیعت ہونا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا خیال مبارک تھا کہ شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے بیعت ہونا ہے۔ ایک بار حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ سے ملنے کے لئے گنگوہ سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو بیعت ہوگئے۔ مختصر مدت کے لئے آئے تھے۔ ہمراہ کپڑے بھی نہ تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں قیام کرو، تو رک گئے۔ جب زیب تن کپڑے میلے ہوجاتے، دھو کر وہی پہن لیتے۔ چالیس دن قیام کیا۔ بیعت کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کردیا تھا کہ تصوف کے ذکر واذکار معمولات ومجاہدہ میرے بس میں نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ ''اچھا کیا مضائقہ ہے۔'' لیکن بیعت کے بعد پہلی رات حاجی صاحبؒ صبح تہجد کے لئے اٹھے تو حضرت گنگوہیؒ بھی ساتھ اٹھ گئے۔ نوافل کے بعد ایک کونہ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے ذکر شروع کیا تو دوسرے کونہ میں حضرت گنگوہیؒ ذکر کے لئے بیٹھ گئے۔ آپ کو خوب حسن الصوت کی سعادت سے حق تعالیٰ نے نوازا تھا۔ ذکر کیا تو درودیوار بھی نام الٰہی سے گونج اٹھے۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو۔ حضرت حاجی صاحب کی بیعت کے بعد اثرات بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ: ''پھر تو مر مٹا'' مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ مقام فنا سے بھی فناعن الفناء کی طرف چلے۔ گویا اپنی فنائیت سے بے خبر اور محض فانی بن گئے۔ ایک خط میں حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کو اپنی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ مدح وذم میرے لئے برابر ہوگئے ہیں۔ یعنی کوئی تعریف کرے تو اس سے طبیعت میں فرحت نہیں ہوتی۔ کوئی برائی کرے تو طبیعت میں تکدّر نہیں ہوتا۔ یہ مقام فنائیت کی انتہاء ہے۔

کاش! میرے ایسے کاٹھ کے گھوڑے اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے۔ آج کل تمام فساد ہی انا پرستی نے برپا کررکھا۔ ہم، تم کی گہما گہمی نے نئی نقالوں کی دنیا آباد کررکھی ہے۔ اللہ رب العزت رحم وکرم کا معاملہ فرمائیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے چالیس روز خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام کیا۔ جس دن گنگوہ کے لئے واپسی تھی۔ اسی روز ہی خلافت سے سرفراز کردیئے گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعد کثرت سے علماء کرام نے حضرت حاجی امداداللہؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے کیا تعبیر کی کہ: ''حضرت گنگوہیؒ نے جس مرحلہ پر بیعت کی، بیعت کے بعد اس مرحلہ میں صاحب نسبت ہوگئے اور چلتے چلتے یہاں پہنچے کہ جو سفر بیعت تھا وہی سفر حصول خلافت ہوگیا۔ یہی قلیل زمانہ سعی تھا اور یہی چند یوم ظفر وکامیابی کے ایام ثابت ہوئے۔'' گنگوہ واپس ہوئے تو حالت بدل چکی تھی۔ نہ کھانے کا ہوش، نہ پینے وپہننے کا۔ ہر وقت استغراق محویت میں ہوتے۔ تمام شب گریہ وزاری کی نذر ہوجاتی۔ اس جذب وکیفیت سے ذکر جہر کرتے۔ معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے۔ خود پر جو کیفیت گزرتی ہوگی وہ اور کوئی کیا جانے۔ گنگوہ واپسی کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ بھی گنگوہ تشریف لائے اور آپ کے مہمان رہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے ایک جگہ چھ ماہ تدریس بھی کی۔ پھر چھوڑ دی۔ اب آپ نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے گنگوہ میں ہی رہنا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا خلوت خانہ عرصہ تین سو سال

گزرنے کے بعد جوں کا توں تھا۔ آپ نے اس کی صفائی ومرمت کا اپنے ہاتھوں اہتمام کیا اور اس میں فروکش ہوگئے۔ گویا حق تعالیٰ نے صدیوں بعد اس خانقاہ شریف کو آباد کرنے کا پردہ غیب سے اہتمام کردیا۔ اس خانقاہ شریف کی رونقیں لوٹ آئیں۔ اب پڑھنے کے لئے طلباء آنے لگے۔ آپ کے درس کو وہ قبولیت ملی کہ ’’العظمۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین‘‘

مولانا گنگوہیؒ کا سلسلہ نسب دادی کی جانب سے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے جاکر ملتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت کے بعد سلسلہ روحانی بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے جاکر مل گیا۔ قدوسی حجرہ خلوت مسجد کی پشت کی جانب تھا۔ جہاں قطب عالم شیخ عبدالقدوسؒ سالہا سال ریاضت مجاہدہ کرتے رہے۔ اپنے تین سو سال کے عرصہ میں کتنے لوگ خانقاہ میں آئے۔ لیکن وہ اس حجرہ کے اہل نہ تھے۔ اب جو اہل آیا تو یہ امانت اس کے سپرد ہوگئی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ عرصہ تک خلوت نشینی کی طرف مائل رہے۔ خلوت کی ریاضت نے پگھلا کر جب خالص سونا بنادیا تو اب طبیعت لوگوں سے ملنے میں انسیت محسوس کرنے لگی۔ اب آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگے۔ اتباع شریعت اور سنت کی تابعداری آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ خلاف شریعت وسنت کام پر خاموش رہنا یا مصلحت کا شکار ہونا آپ کی عزیمت کے خلاف تھا۔ اس لئے آپ سے جو تعلق جوڑتا، شریعت کی تابعداری اس کی گھٹی میں پڑ جاتی۔ اس دوران میں آپ نے طب بھی شروع کردی۔ اس سے بھی خلق خدا کی خدمت کی۔ غرض روحانی وجسمانی طور پر لوگ آپ کی ذات گرامی سے نفع حاصل کرنے لگے۔ حضرت گنگوہیؒ کے بعد آپ کی سفارش پر حضرت نانوتویؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی بیعت میں قبول فرمالیا۔ وہ بھی خانقاہ امدادیہ سے وابستہ کیا ہوئے۔ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے تحریک آزادی میں مثالی کردار ادا کیا۔ تینوں حضرات کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوگئے۔ حضرت حاجی امداداللہ صاحب نے تھانہ بھون سے سفر کیا اور پنجلاسہ پاکپتن، تلمبہ کے راستہ کراچی سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ جب حاجی صاحب پنجلاسہ میں تھے تو حضرت گنگوہیؒ آپ سے ملے۔ حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ آپ سے ملاقات کے لئے دل بے قرار تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جانے سے پہلے آپ کو ملوں گا۔ مخبر کی اطلاع پر پولیس نے چھاپا مارا۔ حاجی صاحبؒ نے تھوڑی دیر پہلے میزبان سے فرمادیا کہ چارہ کاٹنے والی مشین کے کمرہ میں مصلیٰ بچھا اور پانی رکھ دیا جائے۔ آپ نے وضو کیا مصلیٰ پر نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ مالک مکان حاجی محمد عبداللہ صاحب نے فرمایا کہ باہر سے کمرہ کا دروازہ بند کرکے کنڈی لگادیں۔ کنڈی لگا کر فارغ نہ ہوئے ہوں گے کہ پولیس نے محاصرہ کرلیا۔ تمام کمروں کی تلاشی کرتے کرتے اس کمرہ میں آئے۔ دروازہ کھولا تو مصلیٰ موجود، آدمی کوئی نہیں۔ نواب صاحب سے پوچھا کہ مصلیٰ کیوں رکھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نوافل یہاں ادا کروں گا۔ اس لئے مصلیٰ بچھایا تھا۔ پولیس مطمئن ہوکر خالی لوٹ گئی۔ ان کو گاؤں سے نکال کر حاجی عبداللہ پھر کمرہ میں آئے تو حاجی صاحبؒ التحیات کی حالت میں بیٹھے تھے۔ نواب عبداللہ کے آنے پر سلام پھیرا۔ نواب صاحب نے عرض کیا حضرت پولیس آئی تھی؟ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا ہاں آئی تھی۔ نواب صاحب نے عرض کیا حضرت آپ کہاں تھے؟ فرمایا یہیں تھا۔

عرض کیا حضرت آپ نظر نہیں آئے۔ فرمایا کہ وہ (انگریز) اندھے ہوجائیں تو اس میں امداد اللہ کا کیا قصور ہے؟۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تین دن روپوش رہے۔ پھر باہر آ گئے۔ رہائش بدلتے رہے۔ لیکن گرفتار نہ ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ گرفتار ہوئے۔ کیس چلا لیکن بری ہوگئے۔ بایں ہمہ زندگی کے آخری سانس تک انگریز گورنمنٹ آپ کی نگرانی کرتی رہی۔ مخبر بھی آتے جاتے رہتے۔ لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ ایک دفعہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ مولانا رشید احمدؒ کو پھانسی کی سزا کا حکم ہوگیا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ، حکیم ولایت حسینؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ تھانہ بھون سے باہر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ اچانک حضرت حاجی صاحبؒ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور فرمایا کہ رشید احمدؒ کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت سا کام لینا ہے۔ چنانچہ گرفتاری، کیس، پھر برأت سے وہی ظہور میں آیا جو عرصہ پہلے حاجی صاحبؒ نے فرمادیا تھا۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جانے سے پہلے آپ کو ملوں گا۔ مولانا گنگوہیؒ گرفتار ہوگئے اور آپ کی رہائی سے قبل حضرت حاجی صاحبؒ حجاز روانہ ہوگئے۔ ایک خادم نے حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ وہ وعدہ ملاقات کا کیا ہوا؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حاجی صاحبؒ وعدہ خلاف نہ تھے۔ چنانچہ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ جانے سے قبل سنگین پہرہ میں آپ رات کو آئے۔ علیحدگی میں گھنٹوں ملاقات ہوئی اور پھر چلے گئے۔ حضرت گنگوہیؒ کی گرفتاری رام پور سے ہوئی تھی۔ غلام علی نامی ایک شخص جو علی پور ضلع سہارنپور کا رہنے والا تھا۔ اس نے مخبری کی تھی۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو رام پور سے سہارن پور جیل لایا گیا۔ پندرہ دن جیل میں رہے۔ پھر عدالت کے حکم پر گنگوہ کے باشندہ ہونے کے ناتہ اپنے ضلع مظفر نگر بھیج دیا گیا۔ سنگینوں کے پہرہ میں دیوبند کے راستہ مظفر نگر کو چلے۔ دیوبند کے راستہ پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ آ کھڑے ہوئے۔ دور سے سلام وزیارت اور مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ اس کیس سے برأت اور جیل سے رہائی کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے سند تلقین وارشاد کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی شروع کردیا۔ ایک سال میں صحاح ستہ کو ختم کرانے کا آپ نے اہتمام کیا۔ ۱۲۶۵ھ سے ۱۳۱۴ھ تک انچاس سال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورہ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اخیر عمر میں آپ نے پڑھانے کا سلسلہ اس لئے ترک کردیا کہ آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ نے ہند، برما، افغانستان تک کے طلباء کو حدیث شریف کی تعلیم دی۔ آپ کی فیضان صحبت کا اثر تھا کہ آپ کے شاگردوں میں سے کوئی شخص بے وضو شریک درس نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ فرماتے تھے:

’’مجھے حنفی مسلک سے خاص محبت ہے اور اس کی حقانیت پر کلی اطمینان ہے۔‘‘ لیکن کیا مجال ہے کہ کسی فقیہ یا امام کی تنقیص کا کوئی پہلو گفتگو سے مترشح ہو۔ آپ کی کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ سبق کے دوران ایک دفعہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ طلباء کرام نے اپنی کتابیں اور تپائیاں اٹھائیں اور مسجد میں جا بیٹھے۔ آپ نے اپنے کندھے کی چادر کو نیچے بچھایا اور طلباء کرام کی جوتیاں اس میں باندھ کر گٹھ سر پر رکھ لیا اور انہیں بارش سے بچالیا۔ طلباء کرام کو پتہ چلا تو وہ نادم ہوئے۔ آپ نے فرمایا نہیں اس میں پریشانی کا کون سا موقعہ ہے۔ تم تو مہمان رسول ﷺ ہو۔ حدیث پڑھنے آئے۔ تمہاری خدمت ومدارت تو میرے لئے سعادت کی بات ہے۔

طالب علموں سے کوئی خفت کا معاملہ کرتا تو اسے آپ ایسی سنجیدگی سے لیتے کہ ایسا معاملہ کرنے والے کی اصلاح ہو جاتی۔ مدرسہ مصباح العلوم کے ایک مدرس نے آپ سے ہدایہ جلد ثانی پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ چودھویں دفعہ پڑھا رہا ہوں۔ آپ نے تین حج کئے تھے۔ ایک حج میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا رفیع الدینؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہندؒ، حکیم ضیاء الدینؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ ایسے جلیل القدر حضرات ایک ساتھ تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے آپ عمر بھر سرپرست رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے چھ ماہ بعد مظاہر العلوم کی بنیاد رجب ۱۲۸۳ھ میں رکھی گئی۔ مولانا سعادت علیؒ اور مولانا مظہر نانوتویؒ اس کے بانی تھے۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اس کے سرپرست تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا وصال ہوا۔ اس سال کو مدارس ہند کا عام الحزن قرار دیا گیا۔

۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کا چوتھا سالانہ دستار بندی کا جلسہ ہوا۔ جس میں حضرت گنگوہیؒ نے شرکت فرمائی۔ اس میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ ایسے فضلاء کی دستار بندی ہوئی۔ مولانا رفیع الدینؒ مہتمم، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ صدر مدرس نے حضرت گنگوہیؒ سے درخواست کی کہ آپ کا وعظ سننے کو دل کرتا ہے۔ مولانا رفیع الدینؒ جو تکلف وتصنع سے بے نیاز سادگی وخلوص کے پیکر اور شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے جانشین تھے۔ آپ نے مدرسہ کی سالانہ روداد میں حضرت گنگوہی کے وعظ کا یوں ذکر کیا ہے: ”وعظ کیا گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے۔ در و دیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی، نہ سنی۔ اللہ، اللہ اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں۔ بشر کیا، شجر وحجر بھی مان جاتے ہیں۔ مولانا نے تو دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے۔ یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ با آواز بلند ”اللہ“ کہا۔ معلوم نہیں کس دل اور کیسے سوز وگداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ وزاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا۔ اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے ممبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں۔ یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا۔ مگر اللہ دے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مشتغل رہے:

سینہ میں قلزم کو لے، قطرہ کا قطرہ ہی رہا

(تذکرۃ الرشید ص۲۵۱،۲۵۲)

مولانا علی رضاؒ، حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔ فرماتے تھے میں برسوں حضرت کی خدمت میں رہا۔ آپ کا کوئی فعل خلاف سنت نہیں پایا۔ حتیٰ کہ مستحبات اور جانب اولیٰ کو بھی ترک نہ فرماتے۔ لیکن مباح سے آگے نہ بڑھتے۔ مگر مباح سے آپ کو خوشی نہ ہوئی۔ البتہ سنن ومستحبات واجبات وفرائض پر عمل کر کے آپ کو ایسی خوشی ہوتی اور مزاج میں ایسا انشراح اور لطافت وبشاشت پیدا ہو جاتی تھی کہ ہر دیکھنے والا محسوس کر سکتا تھا۔ بدعات کو دیکھ کر آپ آنسو بھر لاتے۔

حضرت گنگوہیؒ کا عشق رسالت مآب ﷺ

مدینہ طیبہ کی کھجور کے استعمال کے بعد گٹھلیاں ضائع نہ فرماتے۔ ان کو پسوا کر سفوف بنا لیتے اور اس کو بھی

کبھی پھانک لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا: ''لوگ زمزم کے ٹین اور مدنی کھجور کی گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔'' مولانا عاشق الٰہیؒ کو ایک بار مدینہ طیبہ کی مٹی مبارک عطاء کی اور فرمایا اس کو کھالو۔ مولانا عاشق الٰہیؒ نے عرض کیا کہ مٹی کھانا تو حرام ہے۔ فرمایا: ''میاں! وہ اور مٹی ہوگی۔'' حضرت گنگوہیؒ کا جی چاہتا تھا کہ ہر شخص حرمین شریفین سے اسی طرح محبت و پیار رکھے۔ جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ غلاف کعبہ کا ایک تار مولانا محمد اسماعیل کو دیا اور فرمایا: ''اس کو کھالو۔'' حضرت گنگوہیؒ بہت خوش الحان تھے۔ جب ذکر بالجہر کرتے تھے تو لوگ وجد میں آجاتے تھے۔ اتباع شریعت پر ایسے کاربند تھے کہ خیرالقرون کے حضرات کی یاد تازہ کردی۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء کی فہرست پر ایک بار نظر ڈالیں، چند نام پیش خدمت ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ ان ناموں پر غور کریں اور پھر سوچیں اگر یہ خلفاء تھے تو شیخ کتنا بڑا کامل ہوگا؟ حضرت گنگوہیؒ کے پاس تبرکات میں سے مقام ابراہیم کا ایک ٹکڑا بھی تھا۔ کبھی اسے صندوقچی سے نکالتے، پانی میں رکھتے اور وہ پانی خدام کو پلا دیتے تھے۔ اسی طرح بیت اللہ شریف کی چوکھٹ کا ایک ٹکڑا بھی آپ نے سنبھال رکھا تھا۔

استغناء کا یہ عالم تھا کہ امیر حبیب اللہ والئی افغانستان نے پانچ ہزار روپے ہدیہ ارسال کیا۔ آپ نے واپس کردیا۔ جو آفیسر ہدیہ لائے ان کے اصرار پر ساتھ یہ رقعہ تحریر فرمایا۔ ''بحیثیت مسلمان مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا دل آپ کو ہمیشہ دعا دیتا ہے۔ خصوصاً موجودہ حالت محبت اسلام اور قدر و منزلت کی خبریں سن کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ حق تعالیٰ برکت عطاء فرماوے گا۔ آپ کی نذر پہنچی۔ مگر چونکہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ جمع کر کے کیا کروں گا۔ اس لئے واپس کرتا ہوں۔ کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کردیا جائے اور مجھے بہر حال دعا گو سمجھئے۔'' ۱۱ راگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے وصال فرمایا۔ حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ گنگوہ شریف سے چلے تو اگلا پڑاؤ جلال آباد تھا۔

جلال آباد کے حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ

جلال آباد حضرت مولانا مسیح اللہ خانؒ کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ سرائے برلہ ضلع علی گڑھ کے مشہور شیروانی خاندان میں ۱۳۳۰ھ کو مولانا مسیح اللہ خانؒ پیدا ہوئے۔ چھ جماعتوں تک سکول کی تعلیم حاصل کی۔ طبعی رجحان کے باعث آپ کے والد صاحبؒ نے آپ کو دینی تعلیم پر لگادیا۔ مشکوٰۃ شریف تک کتب اپنے علاقہ میں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے۔ ۱۳۴۹ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔ مزید دو سال دارالعلوم میں ہی تکمیل کے اسباق پڑھے۔ تعلیم کے دوران میں حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہوگئے تھے۔ تعلیم کے مکمل ہونے کے تھوڑ عرصہ بعد حضرت تھانویؒ نے خلافت سے بھی ممنون فرمادیا۔ حضرت تھانویؒ کے آپ بہت محبوب خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں تدریس کے لئے بھیج دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس

مدرسہ نے اتنی ترقی کی کہ ملک کے اہم جامعات میں اس کا شمار ہونے لگا۔ اسی مدرسہ میں ہی آپ نے ۱۷رجمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳رنومبر ۱۹۹۲ء کو وصال فرمایا۔ شب جمعہ سوا بارہ بجے کا وقت تھا۔ جمعہ کے دن بعد از جمعہ اسی مدرسہ میں جنازہ ہوا۔ ڈھائی لاکھ آدمی نے جنازہ میں شرکت کی۔ مولانا عنایت اللہ صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مدرسہ کے عقب میں واقع قطعہ خاص جہاں پہلے آپ کے ایک خلیفہ مفتی سعید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا مسیح اللہؒ کی اہلیہ کی قبور موجود تھیں۔ ان کے درمیان کی جگہ پر آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔ اس وقت بھی آپ کی قبر کچی ہے۔ البتہ قبر کے حلقہ کو پختہ بھی کیا گیا ہے اور قدرے اونچا بھی۔ اسی پختہ حلقہ میں آپ کی کچی قبر مبارک ہے۔ آپ کے مقبرہ کے کونہ میں دروازہ سے (جو مشرق کی جانب ہے) داخل ہوں تو سامنے ایک مسجد بھی زیر تعمیر ہے۔ اس احاطۂ قبرستان کے ساتھ مدرسہ کی پشت کی دیوار ہے۔ مدرسہ کی بلڈنگ دومنزلہ ہے۔ ہمارے پاس وقت نہ تھا۔ مدرسہ مفتاح العلوم تو حاضر نہ ہوسکے۔ البتہ مزار مبارک مولانا مسیح اللہ خانؒ پر ایصال ثواب کی سعادت حاصل کی۔ اب ہماری اگلی منزل نانوتہ شریف حاضری کی تھی۔ نانوتہ قصبہ سے باہر پختہ سڑک کے کنارے کھیت میں ایک چاردیواری ہے۔ اسے باغ نو کہتے ہیں۔ اس میں سایہ دار درخت ہیں۔ ان درختوں کے درمیان حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ کی قبور مبارکہ ہیں۔ زہے نصیب کہ یہاں بھی ایصال ثواب اور زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے فرزند ہیں۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی پڑھا۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ۱۳رصفر ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا مملوک علیؒ مدرسہ عالیہ دہلی میں صدر مدرس تھے۔ والد صاحب مولانا محمد یعقوبؒ کو اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ والد گرامی سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور مولانا شاہ عبدالغنیؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ اور مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے حدیث شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے پڑھی تھی اور یہ دونوں حضرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بھی استاذ تھے۔ مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے بھی حضرت محدث سہارنپوریؒ سے پڑھا ہے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اجمیر شریف میں بھی پڑھاتے رہے۔ محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بناء قائم ہوئی۔ اسی سال کے آخر میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بھی پہلے صدر مدرس کے طور پر یہاں تشریف لائے اور پھر وفات کے سال تک یہاں پڑھاتے رہے۔ اٹھارہ سال کے عرصہ میں جتنے حضرات فارغ ہوئے آپ سب کے استاذ ہیں۔ جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا احمد حسن امروہیؒ، مولانا حبیب الرحمٰنؒ، حضرت تھانویؒ ایسے حضرات بھی شامل تھے۔

مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہم عصر تھے۔ چھ سات ماہ کا عمر میں تفاوت ہے۔

مولانا محمد قاسمؒ آپ سے بڑے تھے۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح لکھی ہے۔ جس کا نام ''سوانح قاسمی'' ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں: ''فقیر اور مولوی صاحب (مولانا محمد قاسمؒ) کے علاوہ قرب نسب کے بہت سے روابط اتحاد تھے۔ ایک مکتب میں پڑھا۔ ایک وطن، ایک نسب، ہم زلف ہوئے۔ ایک استاذ ایک وقت میں علم حاصل کیا اور بعض کتابیں مولانا سے بھی پڑھیں۔ ایک پیر کے مرید ہوئے۔ دو مرتبہ حج میں ہم سفر رہے اور ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہے۔ (سوانح قاسمی) دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی بھی مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرح مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بھی حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک بار امامت صلوٰۃ کے لئے مصلیٰ پر کھڑے ہوئے۔ کسی نے کہا، مولوی صاحب (مولانا یعقوبؒ) آ گئے۔ حضرت گنگوہیؒ صف میں واپس آ گئے۔ مولانا محمد یعقوبؒ مصلیٰ پر گئے۔ حضرت گنگوہیؒ نے دیکھا کہ مولانا کی پنڈلیاں غبار آلود ہیں تو آگے بڑھ کر اپنے کرتہ سے غبار صاف کیا۔ ادھر اگر احترام ومحبت کا یہ عالم تھا تو ادھر بھی معاملہ کم نہ تھا۔ ایک بار حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ، حضرت گنگوہیؒ سے ملنے گئے تو شلوار میں بندھن کی بجائے بان کی رسی ڈال لی۔ ظاہر ہے وہ سخت ہوتی ہے۔ تکلیف ہوتی ہے۔ تو مولانا گنگوہیؒ بھانپ گئے۔ وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا جلدی تھی، بندھن نہ ملا تو بان ڈال لیا۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کھونٹی سے میرا بندھن لے لیں۔ مولانا یعقوب صاحبؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اس میں تو ایک روپیہ بھی بندھا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا وہ بھی رکھ لیں۔ چنانچہ آپ نے ایسے کیا۔ اس سے دونوں حضرات کی بے نفسی سمجھی جاسکتی ہے۔ مولانا یعقوب صاحبؒ خوش طبع بھی تھے۔ ہندوؤں کے سادھو سر ابرو پلکوں اور داڑھی مونچھ کے سبب بال اترواتے ہیں۔ آپ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ فارغ البال ہیں۔

صرف مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادہ مولوی معین الدین صاحبؒ نے بھی خوب خوش طبعی سے حصہ پایا تھا۔ واقعہ مشہور ہے کہ: ''ایک دفعہ سردی میں بخار نے وبائی شکل اختیار کر لی۔ کسی عقیدت مند نے مولانا یعقوب صاحبؒ کے مزار مبارک سے مٹی لے جاکر مریض کو باندھی تو ٹھیک ہوگیا۔ اب رش لگ گیا۔ مٹی اٹھا، اٹھا کر لوگ لے جانے لگے تو قبر مبارک زمین برابر ہوگئی۔ صاحبزادہ صاحب نے مٹی نئی ڈلوادی وہ بھی لوگ اٹھا کر لے گئے۔ انہوں نے پھر ڈلوادی۔ لوگ پھر اٹھا کر لے گئے۔ یہ بہت پریشان ہوئے تو والد گرامی (مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) کی قبر مبارک پر آئے اور عرض کیا: ''آپ کی تو کرامت ہوگئی اور ہماری مصیبت ہوگئی۔ یاد رکھو اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔'' پس اس دن سے کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی اب یہ شہرت ہوگئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لے جانی بند کر دی۔''

ایک بار میرٹھ مطبع مجتبائی میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ٹھہرے ہوئے تھے۔ نیچے کی منزل میں مولانا محمد قاسمؒ اور بالاخانہ پر مولانا محمد یعقوبؒ کی رہائش تھی۔ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو لے کر مولانا قاسم صاحبؒ کے پاس آئی کہ یہ بیمار ہے۔ میرا سارا کاروبار اس کے سر ہے۔ آپ تعویذ دیں کہ صحت یاب ہو۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے مولانا محمد یعقوبؒ سے فرمایا کہ وہ بالاخانہ پر ہیں۔ ان سے تعویذ لے لو۔ وہ اوپر پہنچی اور مولانا

یعقوبؒ سے پوری بات کر کے تعویذ چاہا۔ آپ نے تعویذ دے دیا۔ دعا کی، بہرحال اس سے جان چھڑائی۔ نیچے اترے تو پوچھا کہ اس کو کس نے اوپر بھیجا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ خاموش ہوگئے۔ مولانا یعقوب صاحبؒ نے فرمایا بڑے متقی نکلے۔ اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے؟ خوب جلال دکھایا۔ ادھر خدا کے فضل سے اس بچی کو آرام ہوگیا۔ اس کی ماں مٹھائی لائی اور سیدھی بالا خانہ پر مولانا کے پاس گئی اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ آپ کی دعا سے میری چھوکری ٹھیک ہوئی۔ آپ شکرانہ کی یہ مٹھائی رکھ لیں۔ آپ نے فرمایا رکھ دو۔ وہ رکھ کر چلی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حرام کے مال کی ہے۔ اغنیاء تو قطعاً استعمال نہیں کر سکتے۔ غرباء کی مرضی ہے جس کا دل چاہے لے لے۔ آپ نے شریعت وطریقت دونوں کو جمع کر دیا۔ (ملخص ارواح ثلاثہ ص۳۴۰) مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ۳؍ربیع الاوّل ۱۳۰۲ھ کو نانوتہ میں وصال فرمایا۔

مولانا محمد منیر نانوتویؒ

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے ساتھ دوسری قبر مبارک حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ کی ہے۔ ان کے ہاں بھی ایصال ثواب کیا۔ حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی صاحبؒ مہتمم رہے ہیں۔ جب آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ تب ایک بار سالانہ روئیداد مدرسہ چھپوانے کے لئے دلّی گئے۔ اڑھائی صد روپے ساتھ لئے۔ دلّی پہنچے۔ اتفاق سے روپے چوری ہوگئے۔ آپ واپس نانوتہ آئے۔ اپنی زمین فروخت کی۔ اڑھائی صد روپے لئے دلّی گئے۔ روئیداد چھپوائی دارالعلوم آگئے۔ کسی طرح مدرسہ کے حضرات کو اس واقعہ کا علم ہوگیا۔ ان سب حضرات نے سوچا کہ شرعاً آپ پر ضمان نہیں ہے۔ یہ رقم آپ کو واپس ملنی چاہئے۔ تمام حضرات کی رائے کہ آپ مانیں گے نہیں۔ حضرت گنگوہیؒ سے فتویٰ لے لیں تو شاید آمادہ ہوجائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت گنگوہیؒ کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ مولوی (منیر احمد نانوتویؒ) صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدّی کے ضائع ہوگیا۔ لہٰذا ان پر ضمان نہیں ہوا۔ اہل مدرسہ نے آپ سے درخواست کی کہ اب رقم لے لیجئے اور حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ بھی دکھایا۔ مولانا منیر احمد صاحبؒ نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا: ''کیا میاں رشید احمدؒ نے فقہ میرے لئے ہی پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے لئے ہی ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں۔ اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لے جاؤ۔ اس فتویٰ کو میں ہرگز نہ لوں گا۔'' (ارواح ثلاثہ ص۲۵۳)

کتنی اجلی سیرت کے یہ لوگ تھے۔ حق تعالیٰ ان پر کروڑ رحمتیں فرمائیں۔ مولانا منیر احمد نانوتویؒ کے اہتمام دارالعلوم دیوبند کا زمانہ ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۵ء ہے۔ آپ کے متعلق حضرت قاری محمد طیبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رشتہ کے بھائی اور جہاد شاملی میں ردیف کی حیثیت رکھتے تھے۔ نہایت ہی باخدا بزرگ اور صاحب دیانت وتقویٰ لوگوں میں سے تھے۔ آپ کا سن وفات لکھ نہ سکا۔

یہاں سے فارغ ہوئے تو نانوتہ مغرب کی نماز باجماعت پڑھی۔ یہاں سے جھنجھانہ جانے کے لئے وقت نہ تھا۔ مسافت بھی تھی اور دارالعلوم واپس پہنچنے کا تقاضہ بھی۔ یہاں سے چلے۔ دیوبند حاضر ہوئے۔ جاری ہے!

پروفیسر محمد الیاس برنیؒ

قسط نمبر:4

ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی

وصیت نامہ اور ورثاء میں جائیداد کی تقسیم

۲۳ر نومبر ۱۹۳۱ء میں خط بھیجا، ناسازی طبع سے آگاہ کیا اور لکھا۔ تینوں بھائیوں میں سے جو بھی بآسانی آسکے ایک ماہ کے لئے آجائے۔ تاکہ ضروری کام نمٹائے جائیں۔ عجلت کی ضرورت نہیں۔ بڑی موسم سرما کی چھٹی میں آجائے تو اچھا ہے۔ ۱۴ر دسمبر سے سرما کی چھٹی شروع ہوئی۔ میں روانہ ہوا جب میں بلند شہر پہنچا اولاً ملا تو طبیعت ٹھیک تھی۔ فرمایا تمہاری آمد کی خوشی میں سنبھل گئی۔ وصیت نامہ تیار تھا۔ ۱۷ر دسمبر سہ پہر سے ملکیت و جائیداد کے کاغذات وحسابات دیکھنے اور سمجھنے شروع کر دیئے اور اگلے دن کو صبح سے شام تک یہی کام کیا۔ تیسرے دن ۱۹ر دسمبر دوپہر تک اس کام سے فارغ ہوا۔ عدالت کے کارندے منشی اوصاف علی صاحب اس کام میں شریک رہے۔ منشی جی کو کہیں اگر کوئی پیچیدگی پیش آتی۔ حضرت اسے سلجھا دیتے تھے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصیت نامہ بعد نظر ثانی مکمل ہوگیا۔ اس میں سب وارثوں کے نام ملکیت وجائیداد کی تقسیم درج ہوگئی اور خاندانی امور کے متعلق ضروری ہدایات بھی۔ اس وصیت نامہ کے بعد خاندان میں کوئی اختلاف نمودار نہ ہوسکا اور اتفاق رہا۔ (صراط الحمید ج۲ ص۱۷)

حج بدل کی وصیت وتاکید

۱۸ر دسمبر کو جمعہ کا دن کا بعد نماز جمعہ اطمینان سے بیٹھے تو والد صاحبؒ نے خود ہی حرمین شریفین کا ذکر چھیڑا۔ مجھ سے حالات سننا شروع کئے جب مدینہ کا ذکر چلا تو طبیعت مچل گئی۔ رقت شروع ہوگئی۔ گھر کی بہو بیٹیاں آبیٹھیں۔ دلوں کا جوش آنکھوں سے جاری ہوگیا۔ یقین ہو رہا تھا کہ غلام اپنے آقا کی توجہ سے سرفراز ہوئے ہیں۔

اثر اتنا تو ہو جذب دل ناشاد کبھی
مجھ کو بھولے سے مدینے میں کریں یاد کبھی
ہجر کی میری زبانی سنیں روداد کبھی
ہند میں کرنا میری خاک نہ برباد کبھی

حضرت نے اسی حالت فرمایا کہ دلوں کے حال سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے مجھے عمر بھر حج وزیارت کی تمنا رہی اور دو ایک مرتبہ تو تہیہ سفر بھی ہوگیا لیکن نہ معلوم کیا مصلحت الٰہی تھی کہ تمنا پوری نہ ہوسکی اور دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ تم حج سے آئے میری ہمت بڑھ گئی کہ تم کو ساتھ لیکر جاؤں گا آرام رہے گا لیکن جب جسم میں طاقت تھی تو نگاہ بے کار تھی۔ اب نگاہ درست ہوئی تو طاقت نے جواب دے دیا۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ حتی الامکان خود ہی جاکر میرا حج بدل ادا کرنا اور مدینہ حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا۔ حرم نبوی کے خدام اور مدینہ کے حاجتمند

باشندگان کی خدمت میں ایک ہزار روپیہ پیش کرنا۔ اس لئے میں اپنے اندوختہ سے دو ہزار روپے کی وصیت کرتا ہوں۔ (صراط الحمید ج۲ ص۱۸)

والد ماجد کا انتقال

۱۱ رجنوری ۱۹۳۲ء کی رات گزری تیسرے رمضان کو صبح کے وقت وفات پائی۔ قمری حساب سے اکیانوے سال اور گیارہ یوم کی عمر پائی تھی۔ (ایضاً ج۲ ص۲۱،۲۲)

حیدرآباد سے حج بدل کے سفر کا آغاز اور گلبرگہ میں حضرت گیسودرازؒ کے مزار پر فاتحہ

تاریخ ۹ رمارچ ۱۹۳۳ء یوم پنجشنبہ شام کو پانچ بجے حیدرآباد سے رات ۱۲ ربجے گلبرگہ پہنچے اور حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودرازؒ کے آستانہ معلّٰی پر فاتحہ پڑھی پھر رخصت ہوئے۔ برقیؒ فرماتے ہیں: ''اول تو حضرت ماشاءاللہ سلطان دکن ٹھہرے، دوسرے خدا کے فضل سے اپنا چشتیہ سلسلہ راست حضرت ہی کا سلسلہ ہے۔ اس نسبت سے محمدی کہلاتے ہیں۔ یہاں ہمارے سواراست محمدی سلسلہ کم نظر آتا ہے۔'' (صراط الحمید ج۲ ص۴۱)

ایک دیرینہ ہم جماعت منفعت علی

بمبئی سے جہاز میں سوار ہوئے تو بیس نمبر پانچ میں جگہ ملی۔ ان کی برتھ کے مقابل برتھ پر ایک قدیم دوست کا بستر جما۔ بیس برس کے بعد بغیر توقع جو یکایک ملاقات ہوئی تو ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چند سیکنڈ پہچاننے میں لگے اس کے بعد جو گلے لگے تو کئی منٹ بغل گیر رہے:

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

برقیؒ فرماتے ہیں: ہم نے ایک ہی سال میٹرک کا امتحان درجہ اول میں پاس کیا۔ ایک ہی سال علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ دونوں ہونہار سمجھے جاتے تھے۔ فرق سنئے! ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب نے ان کو بہلا پھسلا کر ریاضی وسائنس میں کھینچا۔ ہم فنون میں جمے رہے۔ انہوں نے بی ایس کیا۔ ہم نے اکنامکس میں ایم اے کیا۔ ایل ایل بی کی۔ سند دونوں نے حاصل کی۔ ان کا وطن مظفر نگر ہمارا بلند شہر۔ کالج میں یہ کچی بارک میں۔ ہم پکی بارک میں رہتے تھے۔ یہ نماز کے مانیٹر اور ہم طعام کے مانیٹر تھے۔ سوٹ بوٹ سے دونوں الگ تھے۔ کالج کی رعایت سے یہ داڑھی کی تواضع کرتے تھے۔ ہم اس سے بھی بے فکر تھے۔ اب ان کی ایک مشت میں دو انگشت کی کسر ہے اور اپنی وہی خشخشی۔ اب یہ خاصے مولوی نظر آتے ہیں بفضلہٖ عنقریب حاجی بھی ہوجائیں گے۔ یہ نماز کے شروع سے ہی پابند تھے، اب ماشاءاللہ ذکر واذکار میں، اشغال میں، مراقبے میں اور کیوں نہ ہوں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید ہیں۔ انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جب کہ حضرت الحاج مولانا منفعت انگریزی تعلیم یافتہ جماعت میں بڑے بزرگ شمار ہوں گے۔ اپنا تو وہی حال ہے۔

گزری جہاں کے باغ میں یکساں برنگ سرو
سوکھے کبھی خزاں میں نہ پھولے بہار میں

وہی طرز، وہی روش، وہی وضع قطع۔ہم نے ایل ایل بی کرتے وقت سوچ لیا تھا کہ ’’داشتہ آید بکار‘‘ البتہ منفعت علی نے اس سنہ سے خوب کام لیا۔ سہارنپور میں چوٹی کے وکیل ہیں۔ ہم تعلیم وتصنیف میں مصروف ہیں۔ (صراط الحمید ج۲ص۵۹)

مقامات زیارت

برنیؒ فرصت کے اوقات میں آثار قدیمہ کی زیارت کے لئے بھی جاتے تھے جو سعودی حکومت نے اب ڈھادیئے تھے۔ جیسے مولد النبی، مولد فاطمہؓ، مولد علیؓ۔ چنانچہ برنیؒ فرماتے ہیں:

یہ تینوں مقام اب ویران چٹیل میدان پڑے ہیں۔ لوگ پتہ بتاتے ڈرتے ہیں کوئی نہ بتائے تو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہاں دنیا کی بہترین مرصع اور متبرک عمارات کھڑی تھیں۔ ظاہر وباطن کی نعمتوں سے مالا مال تھیں۔ ان کی زیارت سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور آتا تھا۔ اب وہ سب خواب وخیال ہوگیا۔ البتہ جو حقیقی برکات ہیں وہ حقداروں کے واسطے دائم قائم ہیں۔ (ایضاً ص ۸۷)

غسل کعبہ کا معطر زم زم کا گلاس

برنیؒ معلم کے چھوٹے بھائی حسین صاحب کے ساتھ ۴؍ذی الحجہ یوم پنجشنبہ صبح کے وقت شیبی صاحب سے ملاقات کی غرض سے نکلے۔ جاتے وقت حرم شریف سے گزرے تو حسین نے کہا آج بیت اللہ کو غسل دیا گیا ہے۔ ان کا مکان اس کی خوشبو سے معطر تھا۔ جب برنیؒ پہنچے تو شیبی جلالۃ الملک سے ملنے گئے تھے۔ ذرا سی دیر بیٹھے تو حسین نے شیبی کے صاحبزادے سے پانی مانگا۔ اس نے ٹھنڈا زم زم پیش کیا۔ برنی فرماتے ہیں: ’’مجھ سے دریافت کیا گیا میں کیوں انکار کرتا۔ لیکن زہے قسمت ہم کو بلا طلب اور بلا توقع غسل کا معطر زم زم ایک بڑا گلاس بھر کر عطا ہوا۔ عطیہ الٰہی تھا۔ فوراً ادب سے پی لیا۔ خوشبو سے دماغ بس گیا۔ خوشی سے دل بھر گیا۔ سچ پوچھے تو روح مست ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ حسین نے مبارکباد دی کہ ایسا تبرک بن مانگے قسمت والوں کو ملتا ہے۔ تیری نیک فالی ہے۔ شیبی صاحب کا تھوڑا انتظار کیا۔ اس کے بعد رخصت ہوئے اور جہاں کہیں جانا تھا گئے۔ سب نے سن کر مبارک باد دی اور بتایا کہ احرام میں معطر زم زم پی لیا تو دم واجب ہے۔ ہم نے عرض کیا ہمیں تو وہم وگمان بھی نہ تھا لیکن۔

گر یارے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے

دودم بسر وچشم حاضر ہیں سچ پوچھئے تو ایسا تبرک سودم میں بھی سستا ہے۔‘‘ (صراط الحمید ج۲ص۸۵،۸۶)

بیت اللہ میں ایک گھنٹہ

۵؍ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد ہر شخص کو بیت اللہ میں داخلہ کی عام اجازت دی جاتی تھی۔ اس میں برنیؒ بھی اندر گئے تھے۔ اس میں بھیڑ بہت ہوتی تھی۔ اس لئے زیادہ دلجمعی سے قیام اور دعا کرنے کا موقع کم ملتا تھا۔

دوسرا شیبی صاحب کو نذرانہ پیش کرنے پر خصوصی اجازت سے داخلہ ملتا تھا۔ اس میں یکسوئی بھی ہوتی ہے۔ برقیؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ ان کا بیان ہے ہم نے بھی نذر پیش کی صرف چند حجاج کا داخلہ ہوا اور تقریباً ایک گھنٹہ اندر حاضری رہی۔ جو پڑھنا تھا پڑھا۔ جو کہنا تھا کہا، جو دیکھنا تھا دیکھا، اللہ اکبر!

اس عالم شہادت میں اس سے بڑھ کر کیا رسائی ہوگی۔ بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہیں۔ عالم باطن خدا پر روشن ہے۔ کیا خوب ہوا کہ ہم بیت اللہ میں داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں داخل ہو۔ ہمارا دل پھر بیت اللہ بن جائے، ظاہر کے بیت اللہ میں باطن کا بیت اللہ آ جائے۔ ایک حرم میں دوسرا حرم سما جائے۔ کچھ عجب لطف ہو جائے۔

او در من و من درو ے چوں بو بگلاب اندر

جن کے دل بیت اللہ تھے۔ ان ہی کے ہاتھوں نے اس بیت اللہ کی بنا ڈالی اور انہی کی دعاؤں سے یہ بیت اللہ آباد ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ (صراط الحمید ج۲ص۸۷)

مکہ معظّمہ کے دو تبرک

برقیؒ کو قدیم آثار مقدس مقامات کی تصویروں کی جستجو تھی۔ مختلف دکانوں میں دیکھا لیکن ذخیرہ مختصر تھا۔ کوشش سے ایک غیر معروف قدیم ترکی کمپنی کے فوٹوگرافر کی دکان پر کافی تعداد میں ذخیرہ ملا۔ ان میں بعض نادر تصویریں مل گئیں۔ اس طرح بہت مسلسل اور مکمل البم مرتب ہوگیا۔ دوستوں کے واسطے متفرق فوٹو بچ رہے۔

(صراط الحمید ج۲ص۸۹)

مکہ معظّمہ کے تبرکات

دو تبرک اہم ہیں ایک زم زم اور دوسرے غلاف کعبہ، زم زم ہر وقت ملتا ہے۔ غلاف کعبہ عشرہ ذی الحجہ کو نیا غلاف چڑھتا اور پرانا اتر کر تبرک بن جاتا ہے۔ بکتا تھا امسال یہ ارزاں تھا پورا کلمہ شریف چار پانچ روپیہ میں ملتا تھا۔ ہم نے دس بارہ خریدے۔ ان میں ایک بہت عمدہ تھا بالکل نیا معلوم ہوتا تھا۔ ایک دکان سے اکٹھے خریدے رعایت بھی رہی۔ (ایضاً ص۹۰)

قصر شاہی میں دعوت

برقیؒ آثار قدیمہ کی تصویروں کی جستجو میں ایک دکان میں تھے۔ کہ دو ہرکارے ان کے نام لفافہ لائے اور بولے کہ ہم آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ دعوت نامے لیجئے اور قصر شاہی میں آج شام تشریف لایئے۔ ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب آپ کے انتظار میں ہیں شرکت کا ارادہ تھا لیکن ڈاکٹر خواجہ کو انتظار تھا کہ ان کے پاس پہنچے تو کہا دونوں ساتھ چلیں گے ان کے اصرار پر قصر شاہی پہنچے۔ اسلامی ممالک کے معزز مہمان بیٹھے تھے۔ مجمع دیکھ کر جی خوش ہوا۔ جلالۃ الملک تشریف لائے۔ مغربیوں کا لباس بہت خوب تھا۔ بعض احرام میں تھے۔ قیمتی تولئے زیب تن کئے تھے۔ بس ہماری حالت قابل دید تھی۔ معمولی چادروں کا احرام اور وہ میلا سلا، بال پراگندہ، گردآلود جیسے کوئی دیوانہ۔ حج کا رنگ خوب چڑھا ہوا۔ امیروں میں ایک فقیر بھی موجود تھا۔ (صراط الحمید ج۲ص۹۱)

قصر شاہی میں برجستہ اردو میں تقریر

بہر حال جلالۃ الملک کے آنے پر قصیدہ خوانی ہوئی توحید پر تقریریں سن کر تحریک ہوئی کہ ہم بھی تقریر کرتے لیکن عربی پر ایسی قدرت نہ تھی کہ آخر میں جلالۃ الملک نے کہا کہ اگر کوئی حاجی اپنی زبان میں تقریر کرنا چاہے تو اس کا عربی میں ترجمہ کیا جائے گا۔ میں کھڑا ہوا۔ میں نے کہا: ''توحید کا دہرانا چنداں کارگر نہیں رسالت کے اعلان اور وضاحت کی ضرورت ہے اس کے بعد اس ایمانی توحید کا دہرانا ہے جو رسالت کے طفیل حاصل ہوتی ہے اور جو اسلام کے باہر میسر نہیں آسکتی۔ وہی مطلوب ہے رسالت میں ہر کوئی سنت پر زور دیتا ہے۔ اور زور دینا بجا ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں اتباع کی تاکید ہے لیکن بہت سے اس راز سے بے خبر ہیں کہ محبت اور تعظیم اتباع کی جان ہیں۔ انہی دونوں کے صحیح امتزاج سے حقیقی اتباع پیدا ہوتی ہے۔ محبت میں قوت ہے اور تعظیم میں اعتدال۔ جس اتباع کی بنیاد محبت اور تعظیم پر نہ ہو وہ محض ایک رسمی تقلید ہے۔ اتباع نہیں ہے اور نہ اتباع کی خیر و برکت ہے۔ اتباع کے واسطے محبت و تعظیم کس درجہ لازم ہے۔ اہل علم اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں توحید کے پہلو بہ پہلو حضور رحمۃ للعالمین کی محبت و تعظیم کی جو تعلیم ہے وہ دنیا میں بے نظیر ہے کہ عبدیت میں انتہائی محبوبیت و رفعت موجود ہے۔'' (صراط الحمید ج۲ص ۹۵)

عبدالحئی کتانی اور عربوں پر اس کا اثر

اس شاہی دعوت میں مغرب کے پیر طریقت سید عبدالحئی کتانی اور ملا شور بازار بھی شریک تھے۔ کتانی اپنے اثر و اقتدار میں حضرت شیخ سنوسیؒ کے ہم پلہ مانے جاتے تھے۔ (صراط الحمید ج۲ص ۹۸)

دوسرے دن ایک عرب نے موصوف کا تعارفی کارڈ دیا کہ حضرت کو ملاقات کا اشتیاق ہے۔ چنانچہ بعد مغرب حرم میں شیخ سے نیاز حاصل ہوا۔ گلے لگایا بہت دعائیں دیں ارگرد عربوں کا مجمع تھا۔ حضرت کے ساتھ ترجمان بھی تھا۔ میرے ساتھ عبدالرحمٰن تھے۔ فرمایا تمہاری تقریر مؤثر اور بہت مقبول تھی۔ اسلامی جذبات کے اظہار میں تم نے تمام اسلامی ممالک کی طرف سے وکالت و نیابت کی۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے جس کو چاہئے عطا فرمائے۔

میں نے عرض کیا حضرت تقریر اردو میں تھی۔ اس کا عربی میں ترجمہ بھی نہیں ہوا۔ پھر عربوں پر اس کا اثر کس طرح ہوا۔ فرمایا ایمان و اخلاص میں بھی اثر ہے۔ تمہاری آواز لب و لہجہ سے حقانیت ٹپکتی تھی۔ دل لذت اندوز ہو رہے تھے اور تم نے درمیان درمیان میں جو آیات پڑھیں۔ ان آیات نے عربوں پر مقصد خوب واضح کر دیا۔ جلسہ حب رسول ﷺ سے مست ہو گیا۔ یہ بیان اختیاری نہیں فضل الٰہی ہے۔ (ایضاً ص ۹۸،۹۹)　جاری ہے!

ضروری اعلان

حضرت اقدس جانشین شیخ التفسیر، حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کی سوانح حیات زیر ترتیب ہے۔ حضرت کا کوئی مکتوب گرامی، کوئی اہم واقعہ، کوئی تحریر کسی کے پاس ہو تو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔

(پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید جاوید حسین شاہ، جامعہ عبیدیہ علامہ اقبال کالونی فیصل آباد)

شہید ناموس رسالت ﷺ ...... غازی علم الدین شہیدؒ!

عبدالعزیز انجم!

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانان برصغیر پاک و ہند پر آزمائشوں، ابتلاؤں اور مسائل کا کٹھن وہ دور آپڑا جسے ہم برطانوی سامراج کی بدترین غلامی اور انتقام کے دور سے یاد کرتے ہیں۔ اُن دنوں ایک طرف مکار انگریز تھا جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا تھا اور دوسری طرف ہندو بنیا بھی کچھ ایسے ہی وقت اور حالات کا منتظر تھا کہ وہ اپنی سینکڑوں سال کی غلامی کا بدلا چکا سکے۔ ایسا ہی ہوا۔ ہندوؤں نے انگریزوں کا دم چھلہ بن کے ہر طرح سے مسلمانوں کا استحصال شروع کر دیا۔ انہوں نے دیگر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں شدھی اور سنگھٹن جیسی اسلام دشمن تحریکیں شروع کر دیں اور ساتھ ہی ہندوؤں نے مسلمانوں کیخلاف دل آزار لٹریچر شائع کرنا بھی شروع کر دیا۔

اس طرح ہندوستان میں مقدس اسلامی شخصیات اور خصوصاً نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ مسلمان جیسا بھی جو کچھ بھی ہو۔ وہ اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ غلامی کے اس دور میں بھی عشق رسول ﷺ کی چنگاریاں بجھنے نہ پائی تھیں اور کسی کو کیا معلوم تھا کہ بجھی ہوئی راکھ تلے عشق ووفا کی وہ چنگاریاں ابھی سلگ رہی ہیں جو بھڑکیں گی تو سب گستاخوں کو اپنے ساتھ بھسم کر دیں گی۔

۱۹۲۷ء میں لاہور کے ایک ہندو پبلشر راج پال نے قرآن پاک کے خلاف ایک کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' شائع کی۔ مسلمانوں نے اس کتاب کی اشاعت پر بہت احتجاج کیا۔ لیکن راج پال کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہوئی۔ بلکہ کچھ عرصے کے بعد راج پال نے ایک ملعون ہندو روزنامہ پرتاب کے ایڈیٹر ''مہاشہ کرشن'' کی تحریر کردہ گستاخی رسول ﷺ پر مبنی کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کر دی۔ جس میں امہات المومنینؓ کے بارے میں بھی نازیبا باتیں لکھی گئی تھیں۔ مہاشہ کرشن نے مسلمانوں کے غم وغصہ سے بچنے کے لئے اپنی بجائے پروفیسر چموپتی لال ایم اے کا نام بطور مصنف لکھ دیا۔ تاہم اس کتاب پر راج پال کا نام بطور ناشر درست اور واضح لکھا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس کتاب کو تلف کرنے کا مطالبہ کیا ۔ راجپال کے انکار پر مسلمانوں نے دفعہ ۱۵۳/الف کے تحت فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ دائر کیا۔ مجسٹریٹ نے راجپال کو چھ ماہ قید کی سزا دی۔ مگر اس نے ہائی کورٹ میں اپیل کی جہاں جسٹس دلیپ سنگھ مسیح نے اس کو رہا کر دیا۔

اس دوران اخبار چیخ چلا کر راجپال کیخلاف کاروائی کا مطالبہ کرتے رہے۔ مسلمانوں نے جلسے جلوس بھی نکالے۔ لیکن مسلم دشمن انگریز حکومت اور انگریز کے خودساختہ عدل وانصاف کے کان پر جوں تک نہ رینگی ۔ انگریز

حکومت کی عدم توجہی سے مایوس ہوکر مسلمانوں نے متعدد جلسے جلوس منعقد کئے۔ مگر انگریز حکومت نے روایتی مسلم دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے الٹا مسلمان رہنماؤں کو ہی گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں میں یہ احساس جاگزیں ہونے لگا کہ حکومت وقت ملعون ناشر کو بچانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے اور یہ کہ اس ملعون کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے ان کو خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔

چنانچہ لاہور کے ایک غازی خدا بخش نے ۲۴ر ستمبر ۱۹۲۷ء کو اس گستاخ کو اس کی دکان پر نشانہ بنایا۔ تاہم یہ بھاگ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ غازی خدا بخش کو گرفتاری کے بعد ۷ سال کی سزا سنائی گئی۔

۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۷ء کو غزنی افغانستان کے ایک غازی عبدالعزیز نے لاہور آ کر اس شاتم رسول کی دکان کا رخ کیا۔ مگر یہ بدبخت دکان میں موجود نہیں تھا۔ اس کی جگہ اس کا دوست سوامی ستیا نند موجود تھا۔ غازی عبدالعزیز نے غلط فہمی میں اس کو راج پال سمجھ کر اس پر حملہ کر کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ غازی عبدالعزیز کو حکومت وقت نے چودہ سال کی سزا سنائی۔ راج پال ان حملوں کے بعد نہایت خوفزدہ رہنے لگا۔ حکومت نے اس کی پشت پناہی کرتے ہوئے دو ہندو سپاہیوں اور ایک سکھ حوالدار کو اس کی حفاظت پر متعین کر دیا۔ راج پال کچھ عرصے کے لئے لاہور چھوڑ کر کاشی، ہردوار اور متھرا چلا گیا۔ مگر چند ماہ بعد ہی واپس آ گیا اور دوبارہ اپنا کاروبار شروع کر دیا۔

شان رسالت میں گستاخی کے خلاف بیرون دہلی دروازہ لاہور درگاہ شاہ محمود غوثؒ کے احاطہ کے قریب مسلمانوں کا ایک فقیدالمثال اجتماع ہوا جس میں عاشق رسول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بڑی رقت انگیز تقریر کی۔ علم الدین اپنے والد کے ہمراہ اس میں موجود تھے۔ اس تقریر نے بھی ان کے دل پر بہت اثر کیا۔ اس رات انہیں خواب میں ایک بزرگ ملے۔ انہوں نے کہا: ''تمہارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی ہو رہی ہے اور تم ابھی تک سو رہے ہو۔ اٹھو جلدی کرو۔ علم دین ہڑبڑا کر اٹھے اور سیدھے شیدے کے گھر پہنچے۔ پتا چلا کہ شیدے کو بھی ویسا ہی خواب نظر آیا تھا۔ دونوں ہی کو بزرگ نے راجپال کا صفایا کرنے کو کہا۔ دونوں میں یہ بحث چلتی رہی کہ کون یہ کام کرے۔ کیونکہ دونوں ہی یہ کام کرنا چاہتے تھے۔ پھر قرعہ اندازی کے ذریعے دونوں نے فیصلہ کیا۔ تین مرتبہ علم الدین کے نام کی پرچی نکلی تو شیدے کو ہار ماننی پڑی اور علم الدین ہی شاتم رسول کا فیصلہ کرنے پر مامور ہوئے۔ علم الدین کی غیرت ایمانی نے یہ گوارہ نہ کیا کہ یہ ملعون اتنی آسانی سے بچ نکلے۔ انہوں نے اس کو اس کے انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ غازی علم الدین نے ۶ر اپریل ۱۹۲۹ء کو راجپال کی دکان پر پہنچ کر اسے للکارا اور کہا اپنے جرم کی معافی مانگ لو اور دل آزار کتاب کو تلف کر دو اور آئندہ اس قسم کی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ راج پال اس انتباہ کو گیدڑ بھبکی سمجھ کر خاموش رہا۔ اس پر غازی علم الدین نے ایک بھرپور وار کر کے اس ملعون کو جہنم واصل کر دیا۔

غازی علم الدین اس واقعہ کے بعد نہ صرف مکمل پرسکون رہے۔ بلکہ انہوں نے فرار ہونے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی۔ علم الدین کے گھر والوں کو علم ہوا تو وہ حیران ضرور ہوئے۔ لیکن انہیں پتا چل گیا کہ ان کے نورِ چشم نے کیا زبردست کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ان کا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔ علامہ اقبال کو جب معلوم ہوا کہ ایک

اکیس سالہ ان پڑھ مزدور پیشہ نوجوان نے گستاخ رسول راجپال کو جرات و بہادری کے ساتھ قتل کر دیا ہے تو انہوں نے کہا: ’’اسی گلاں اِی کردے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔‘‘ (ہم باتیں ہی بناتے رہے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا) اس وقت دوکان میں راجپال کے ملازم بھی موجود تھے۔ ایک ملازم نے انارکلی پولیس سٹیشن میں قتل کی اطلاع درج کروائی۔ پولیس نے نعش قبضہ میں لے کر گواہوں کے بیانات لے لئے۔ غازی علم دین نے فوراً اقرار جرم کر لیا اور گرفتاری پیش کر دی اور اپنے خاندان سے کہا کہ میرے مقدمے کی پیروی نہ کی جائے۔ کیونکہ میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

مقدمہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لوئس کی عدالت میں پیش ہوا جس نے ملزم پر فرد جرم عائد کر کے صفائی کا موقع دیئے بغیر مقدمہ سیشن کورٹ میں منتقل کر دیا۔ لاہور کے ایک نامور وکیل فرخ حسین نے رضاکارانہ طور پر غازی علم الدین کی وکالت شروع کر دی۔ لیکن سیشن کورٹ کے نیپ نامی انگریز جج نے ۲۲؍مئی ۱۹۲۹ء کو غازی علم الدین کے لئے سزائے موت سنادی۔ مسلمانان لاہور نے فیصلہ کیا کہ سیشن کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی جائے اور اس مقدمے میں غازی کی وکالت کے لئے شہرہ آفاق وکیل محمد علی جناح کو نامزد کیا جائے۔ چنانچہ بانی پاکستان اس سلسلہ میں بمبئی سے لاہور تشریف لائے ان کی معاونت جناب فرخ حسین بیرسٹر نے کی۔ ۱۷؍جولائی ۱۹۲۹ء کو لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس شادی لال نے فیصلہ سناتے ہوئے سیشن کورٹ کی سزا کو بحال رکھا اور غازی کی اپیل خارج کر دی۔ اپیل خارج ہونے کی اطلاع جب جیل میں غازی علم الدین کو ملی تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ: ’’شکر الحمدللہ! میں یہی چاہتا تھا۔ بزدلوں کی طرح قیدی بن کر جیل میں سڑنے کے بجائے تختہ دار پر چڑھ کر ناموس رسالت پر اپنی جان فدا کرنا موجب ہزار ابدی سکون و راحت ہے۔‘‘

مسلمان عمائدین نے ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف لندن کی پریوی کونسل میں اپیل دائر کی۔ اس اپیل کا مسودہ قائداعظم کی زیرنگرانی تیار کیا گیا۔ مگر انگریز حکومت جو ایڈیشنل سیشن کورٹ سے ہائی کورٹ تک مسلم دشمنی کا مسلسل مظاہرہ کرتی آئی تھی۔ اس اپیل کو بھی رد کر دیا۔ غازی علم الدین کو جونہی اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا انہوں نے حسب سابق خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

غازی علم الدین کو سزا سنائے جانے کے بعد عملدرآمد کے لئے انگریز سامراج نے فیصلہ کیا کہ اس مرد مجاہد کو کسی دور دراز اور محفوظ جیل میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہیں ۴؍اکتوبر ۱۹۲۹ء کو لاہور سے میانوالی منتقل کر دیا گیا۔ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اس سزا پر عملدرآمد کیا گیا۔ مجسٹریٹ نے غازی علم الدین سے ان کی آخری خواہش پوچھی۔ آپ نے کہا صرف: ’’دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔‘‘ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد خود سوئے دار بصد شوق چل پڑے۔

اس طرح ۸؍ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ بمطابق ۳؍دسمبر ۱۹۰۸ء کو لاہور کے علاقہ کوچہ چابک سواراں میں آنکھ کھولنے والا یہ عاشق رسول ﷺ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۹ء کو شہادت کی منزل پا کر تاریخ میں امر ہو گیا۔ اس عاشق

رسول ﷺ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا جس پر رہتی دنیا کے مسلمان ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔ آئندہ جب بھی کوئی مورخ، مصنف اور لکھاری شہیدان ناموس رسالت ﷺ کے بارے خامہ فرسائی کرنا چاہے گا تو ممکن نہیں کہ وہ غازی علم الدین شہیدؒ کے تذکرہ کے بغیر اپنی تحریر کو مکمل کر سکے۔

غازی علم دین کی شہادت کے بعد انگریز حکومت کا خیال تھا کہ اگر غازی علم الدین شہیدؒ کی نعش کو لاہور بھیجا گیا تو یقیناً ہندو اور مسلمان مشتعل ہو کر فساد پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کے مقدس جسد خاکی کو بغیر جنازہ کے ہی دفنا دیا گیا۔ لیکن مسلمانوں نے ان کا جسد خاکی لینے کے لئے شدید مطالبہ کیا۔ اس سلسلہ میں لاہور میں مسلسل جلسے جلوس اور ہڑتالیں ہوتی رہیں۔ ۴؍نومبر ۱۹۲۹ء کو مسلمانوں کا ایک وفد گورنر پنجاب سے ملا اس وفد میں مولانا ظفر علی خان، علامہ محمد اقبال اور سر میاں محمد شفیع و دیگر شامل تھے۔ گورنر نے سخت شرائط پر نعش کی واپسی کی اجازت دی۔ اس طرح مسلمانوں کا ایک وفد ۱۳؍نومبر کو میانوالی پہنچا۔ دوسرے دن علی الصبح نعش کو نکال کر ڈپٹی کمشنر راجہ مہدی زمان خان کے بنگلے پر لایا گیا۔ وفد اور میانوالی کے لوگوں کے بیانات کے مطابق دو ہفتے گزر جانے کے باوجود نعش میں ذرا بھی تعفن نہیں تھا۔ بلکہ جسم صحیح وسالم تھا۔ چہرے پر جلال و جمال کا امتزاج تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

نعش بذریعہ ٹرین ۱۵؍نومبر ۱۹۲۹ء لاہور چھاؤنی پہنچی۔ محکمہ ریلوے نے یہ نعش محکمہ جیل کے احکام کے حوالے کی اور محکمہ جیل نے غازی علم الدین شہیدؒ کا جسد خاکی مسلم لیگ کے دو نمائندوں سر محمد شفیع اور علامہ محمد اقبال کے حوالے کیا۔ شہید کا جنازہ لاہور میں ہی ادا کیا گیا جو لاہور کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ کہلاتا ہے جس میں تقریباً چھ لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ جنازہ کا جلوس ساڑھے پانچ میل لمبا تھا۔ شہید کی نماز جنازہ قاری شمس الدین خطیب مسجد وزیر خان نے پڑھائی۔ مولانا دیدار شاہ اور علامہ اقبال نے شہید کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔ مسلمانوں نے اس مرد مجاہد اور عاشق رسول ﷺ کے جسد خاکی پر عقیدت میں اتنے پھول نچھاور کئے کہ میت ان میں چھپ گئی۔ ان کے جسد خاکی کو مثالی اور غیر معمولی اعزاز واکرام کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔ جب غازی علم الدین کو لحد میں اتار دیا گیا تو مولانا ظفر علی خان نے چیخ کر کہا کہ:''کاش! یہ مقام آج مجھے نصیب ہوتا۔'' غازی علم دین شہیدؒ لاہور میں بہاولپور روڈ کے کنارے میانی صاحب کے قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

غازی علم دین شہیدؒ نے اپنے رشتہ داروں کو وصیت کی تھی جو آج بھی ہر ایک مسلمان کے لئے اسی طرح اہمیت کی حامل ہے جتنی کہ اس وقت تھی۔ آپ نے فرمایا ''میرے تختہ دار پر چڑھ جانے سے وہ (رشتہ دار) بخشے نہیں جائیں گے۔ بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حق دار ہوگا اور انہیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شریعت محمدی پر قائم رہیں۔'' اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو غازی علم الدین شہیدؒ جیسا عشق رسول ﷺ کا جذبہ عطا فرمائے اور حقیقی معنوں میں سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اِسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

حضرت مولانا خالد عباد اللہ کی رحلت

جناب حاجی احمد

حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد خالد صاحبؒ مدیر و بانی جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا کے شاگرد رشید، حضرت اقدس مولانا عبدالصمد ہالیجوی صاحب کے تربیت یافتہ، جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا کے فاضل اور اپنے مادر علمی کے ماہر استاد الصرف والنحو والادب حضرت مولانا خالد عباد اللہ صاحبؒ بروز جمعرات ۱۱؍ذی الحج ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷؍اکتوبر ۲۰۱۳ء صبح ۶ بجے اپنے مادر علمی کی خدمت کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرماگئے: انا للہ وانا الیہ راجعون فان للہ ماا خذولہ مااعطی وکل شی ء عندہ باجل مسمی!

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بہت ساری صفات سے نوازا تھا۔ جیسے خوش طبعی، خوش اخلاقی، خوش الحانی، نفاست، اساتذہ کرام کا ادب، والدین کا ادب، حسن انتظام، نماز کا اہتمام وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جامعہ کے تمام اساتذہ کرام اور طلباء کے سامنے ہر دل عزیز شخصیت مانے جاتے تھے۔

محترم جناب عبیداللہ جتوئی کے گھر میں پہلا بیٹا ۱۹۸۰ء میں پیدا ہوا۔ جن کا نام خالد عباد اللہ رکھا گیا جو آگے چل کر حضرت مولانا قاری خالد عباد اللہؒ کے نام سے جانے پہچانے لگے۔ آپ کا آبائی گاؤں باغ خان جتوئی ضلع سانگھڑ ہے۔ پھر مولانا کے والد صاحب اپنے اہل وعیال سمیت سانگھڑ شہر میں رہنے لگے اور تا حال سانگھڑ شہر میں ہی مقیم ہیں۔ حضرت سائیں مولانا حبیب اللہ کے پاس حفظ قرآن کے لئے داخلہ لیا۔ پھر آپ نے مدرسہ تحسین القرآن میں قاری محمد یوسفؒ کے پاس حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ گردان کے لئے جامعہ دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور کے ناظم اعلیٰ حضرت قاری عبدالرشید مدظلہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کے لئے ۱۹۹۷ میں جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا میں داخلہ لیا۔ یہاں درس نظامی کے تمام درجات کی تکمیل کی۔ جامعہ اور وفاق المدارس العربیہ کے امتحانات میں نمایاں درجات میں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ۲۰۰۴ء میں فراغت کے بعد جامعۃ الرشید کراچی میں ''تکمیل العلماء'' یکسالہ کورس میں داخلہ لیا۔ تکمیل کے بعد اپنے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد خالد مدیر و بانی جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا کے حکم پر اپنے مادر علمی میں تدریسی خدمت شروع کی۔ تدریس کے ساتھ جامعہ میں مختلف ذمہ داریاں بھی ان کے حوالہ تھیں جیسے دارالاقامہ کا قیم، بعد نماز فجر شعبہ کتب کے تمام طلباء کی منزل سننا اور جامعہ میں تشریف لانے والے مہمانان گرامی کی خدمت۔

حال ہی میں ۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۳ کو جامعہ کی طرف سے ضلع آواران بلوچستان کے دور دراز قصبہ مشکے میں آمدہ زلزلہ سے متاثرین کی امداد کے لئے سامان لے جانے کے لئے حضرت مفتی صاحب نے مولانا صاحب سے ارشاد فرمایا تو بخوشی تیار ہوگئے۔ اور راقم کے ساتھ پورے سفر کی مشقت کو ہنستے مسکراتے برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کسی ساتھی کو بور نہیں ہونے دیا۔

۱۰رذی الحج ۱۴۳۴ بروز بدھ شام کو جامعہ کی قربانی کی کھالیں جامعہ مفتاح العلوم حیدرآباد میں ٹرک کے ذریعے لے کر پہنچے۔کھالیں اتروائیں۔گن گن کر حوالہ بھی کردیں۔واپسی کے لئے مڑے تو مڑتے ہوئے ٹرک اچانک ستون سے بندھے ہوئے ایک تار سے ٹکرایا۔مولانا ابھی ٹرک سے نیچے ہی تھے کہ ستون کا ایک بھاری حصہ ٹوٹ کر مولانا کے جسم پر گرا۔جس سے مولانا شدید زخمی ہوگئے۔حضرت مفتی صاحب بھی موقع پر پہنچ گئے اور کار میں ڈال کر حیدرآباد سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں پہنچے اور علاج بھی شروع ہوگیا۔لیکن ایک رگ ٹوٹ گئی تھی۔جس کی سرجری کا انتظام وہاں پر موجود نہیں تھا۔جس کے لئے کراچی لے جانے کا کہا گیا۔چنانچہ اس کا بھی جلدی سے انتظام کیا گیا۔جب ایمبولینس کراچی ٹول پلازہ کے قریب پہنچی تو حالت دگرگوں ہونے لگی۔قریب ہی بقائی ہسپتال میں لے جائے گئے۔لیکن (التقدیر یضحک علی التدبیر) حضرت مولاناؒ جو حضرت مفتی صاحب سے دو چار دن کی چھٹی لیا کرتے تھے۔ زندگی بھر کی رخصت لینے لگے اور حضرت مولانا صاحب اپنے حقیقی خالق ومالک سے جا کر ملے:

عجب قیامت کا حادثہ کہ اشک ہیں آستین نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے افق پر مہر مبین نہیں ہے
تیری جدائی میں اے جانے والے! وہ کون ہے؟ جو حزین نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا ابھی تک یقین نہیں ہے

حضرت مولاناؒ کے جسد خاکی کو اپنے مادر علمی میں لایا گیا۔بلا تاخیر غسل وکفن کا انتظام کیا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں ہالا اور گرد ونواح کے محبین وطالبین کا خاصہ مجمع جامعہ میں پہنچ گیا۔جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہالا میں حضرت قاری عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ جامعہ دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نماز جنازہ کے بعد ان کے جسد خاکی کو ان کے آبائی گاؤں لے جایا گیا۔جہاں ان کی دوسری مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔یہاں پر بھی بہت بڑا مجمع تھا اور ۱۱رذی الحج ۱۴۳۴ھ کے سورج غروب ہونے کے ساتھ یہ علم وعمل کا سورج بھی غروب ہوگیا۔اس میں شک نہیں کہ حضرت قاری مولانا خالد عباد اللہ صاحبؒ نے اپنے والد محترم کی نذر اور تمنا کو کما حقہ ادا کر کے دکھایا۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

باخبروں کی بے خبری؟

مولانا عبداللہ معتصم

گزشتہ دنوں سوشل میڈیا پر لگی ایک خبر نظروں سے گذری تو نظر ٹھہر ا گئی۔ دل دھڑ دھڑ کانپ اٹھا۔ خبر اگرچہ کچھ پرانی تھی۔ لیکن حد درجے حیران کن اور مایوس کن تھی۔ خبر کے پہلو میں لگی بلیک اینڈ وائٹ تصویر پر نظر پڑی تو دل پر ایک اور چرکا لگا۔

یہ ایک سیرۃ النبی کانفرنس کا منظر تھا جس میں ملک کے نامی گرامی دانشور اور صحافی تشریف فرما تھے۔ تصویر میں بہت سارے چہرے نظر آرہے تھے۔ ڈاکٹر حمید نظامی، صاحبزادہ میاں ولید شرقپوری، جسٹس (ر) نذیر غازی، قیوم نظامی، مولانا عبدالخبیر آزاد، سمیعہ راحیل قاضی، شاہد رشید وغیرہ۔

مجھے تعجب اور افسوس ان سب حضرات کے جلو میں بیٹھے۔ ''وسیم اے محمود'' کی تصویر کی وجہ سے ہوا۔ دو روزہ سیرت النبی ﷺ میں شریک یہ ''دانشور'' حضرات امن محبت اور بھائی چارہ کا پیغام سنا رہے تھے۔ آقائے کائنات ﷺ کے حسن اخلاق، اعلیٰ کردار اور رفعت مکانی پر اظہار خیال کررہے تھے۔ سیرت مصطفےٰ ﷺ کو اپنانے اور محبت رسول کو دل میں بٹھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ مجھے حیرانگی اس بات پہ نہیں ہوئی کہ آقا ﷺ کی سیرت بیان کرنے والوں کا یہ اجتماع مخلوط تھا۔ اچنبھے کی بات یہ بھی نہ تھی کہ سیرت طیبہ کو اپنانے کی ترغیب دینے والوں کی شکلیں خود ان کو جھٹلا رہی تھیں۔

تعجب اور حیرت اس بات پہ ہورہی تھی کہ سیرت النبی ﷺ کے نام سے منعقدہ اس کانفرنس میں مندوبین کی تواضع بدنام زمانہ مشروب ساز فیکٹری ''شیزان'' کے مصنوعات سے ہورہی تھی اور سٹیج پر براجمان شخصیات میں شیزان کے ڈائریکٹر وسیم اے محمود صاحب بھی تھے جو دیگر خطباء کی طرح حضور ﷺ کی سیرت پر گفتگو کررہے تھے۔

قارئین کرام! مسلمانوں کے باہمی اتفاق، اتحاد اور آقا ﷺ کی ذات سے محبت کے بل بوتے پر تقریباً ہر چھوٹے بڑے پاکستانی کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی ہے کہ شیزان، غداران دین وملت قادیانیوں کی کمپنی ہے اور باقاعدہ طور پر قادیانیوں کو محرف قرآن چھاپنے میں سپورٹ کرتی ہے۔ سننے کی حد تک ہے قادیانیوں کے ساتھ سب سے زیادہ مذہبی تعاون بھی یہی کمپنی کرتی ہے۔ اس تناظر میں اس کانفرنس اور شرکاء کے خطابات صریح دوغلا پن اور اس محاورہ کا مصداق تھے کہ ''بغل میں چھری منہ میں رام رام''

طرفہ یہ کہ نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے سیکرٹری شاہد رشید نے شیزان کے ڈائریکٹر کو خصوصی خراج تحسین بلکہ خراج عقیدت پیش کیا۔ ساتھ یہ گل افشانی بھی کی کہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام جتنے سیرت النبی ﷺ کے جلسے جلوس ہوتے ہیں۔ ان کو شیزان انٹرنیشنل کی بھرپور معاونت حاصل ہے۔ اول تا آخر سارے انتظامات کی نگرانی کرتی ہے اور شرکاء کی تواضع کے لئے باقاعدہ جوس فراہم کرتی ہے۔

کانفرنس میں دیگر اہل وفضل کے علاوہ زیادہ حیرت اورافسوس مجھے مجید نظامی ایڈیٹر نوائے وقت کی شرکت پر ہوئی۔ جو شورش کاشمیریؒ جیسے عاشق ختم نبوت، مولانا مفتی محمودؒ جیسے جذبۂ پیہم کے حامل شخصیت، حضرت علامہ یوسف بنوریؒ، مولانا تاج محمودؒ اور مولانا محمد علی جالندھری ایسے ختم نبوت کے دیوانوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا۔ حمید نظامی جیسے نڈر حق گو اور بے باک صحافی کی آنکھ کا تارہ ہے۔ تحریک ختم نبوت کی قیادت اور کارکنوں کے ساتھ اس کا تعلق اور نشست و برخاست رہی۔

روزنامہ نوائے وقت جیسے تاریخی اخبار کا ایڈیٹر ہے جو ظلم وستم کی سیاہ رات میں صبح کا ستارہ اور نور کا استعارہ تھا۔ جس کی پیشانی پر حدیث مبارک ''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے'' کے الفاظ درج ہوتے اور صحیح معنوں میں سلطان جابر کو للکارا بھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مجید نظامی کی سرشت اور فطرت میں غداران دین وملت کی نفرت اور عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی۔ لیکن یہاں تو محبت کی پینگیں بڑھتی نظر آتی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ اگلے دن روزنامہ نوائے وقت ہی میں ''ندائے وطن'' کے نام سے ایک صاحب نے کالم لکھا جس میں اس اجتماع کو روح پرور، امن کی آواز، نبوت کے روحانی فیضان اور دیگر لمبے چوڑے القابات سے نوازا۔ الفاظ اور جملوں کو کھینچ تان کر یہ جتلانا چاہا کہ جو کوئی اس کانفرنس میں شریک نہ ہوسکا خیر کثیر سے محروم ہوگیا۔

کانفرنس کی افادیت اور ہم جہتی بیان کرنے میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ چن چن کہ الفاظ تعریف وتحسین استعمال کئے ہیں۔ دیگر خطباء اور شرکاء کا ذکر سطحی ہے۔

جب کہ شیزان اور اس کے ڈائریکٹر کا تذکرہ قدرے وضاحت کے ساتھ آخر میں کیا ہے اور اکثر کالم پڑھنے والے دوستوں کے علم میں ہوگا کہ کالم نگار اکثر اپنا پیغام اور مرکزی خیال آخر میں لکھتا ہے۔ تاکہ قاری کے ذہن میں راسخ رہے اور کالم ختم ہوتے ہوتے ذہن پر اثر چھوڑ دے۔

وسیم اے محمود کے علاوہ دیگر حضرات پر ہمیں کوئی بدگمانی نہیں۔ سب بلا شبہ مسلمان ہیں اور شاید غلط فہمی میں شرکت کر بیٹھے ہوں۔ لیکن یہ سب اہل علم وفضل ہیں۔ معاشرہ میں اپنے متبعین اور متوسلین کا ایک حلقہ رکھتے ہیں۔ ان کی اس طرح اجتماعات میں شرکت، قادیانیوں کے ساتھ نشست وبرخاست اور سرعام ان کی مصنوعات کا استعمال خطرناک امر ہے۔ برسوں کی محنت اور قربانیوں سے مسلمانوں پر قادیانیت کی جو تصویر آشکارا ہوئی ہے وہ دھندلی پڑ جائے گی۔ ان کے متعلقین کو قادیانی مصنوعات استعمال کرنے کی دلیل مل جائے گی۔

اگر ہماری وجہ سے کوئی گستاخان رسول ﷺ کی مصنوعات استعمال کرتا ہے یا ہم ان مصنوعات کی تشہیر کا باعث بنتے ہیں تو پھر ہم کس منہ سے محبت رسول ﷺ کی بات کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرتے ہوئے ضمیر ہمیں ملامت نہیں کرتا۔

سیرۃ الرسول ﷺ کے خوب صورت موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کوئی احساس دل کے دروازہ پہ دستک نہیں دیتا۔ اپنے گریبان میں جھانکیں۔ دل کو ٹٹولیں کہ دشمن رسالت کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر ہم کہیں سیرت طیبہ سے پہلو تہی تو نہیں کررہے؟۔

فتنہ قادیانیت اور اسلامی اصطلاحات!

قسط نمبر:6　مولانا شاہ عالم گورکھپوری نائب ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند!

مرزائی نبوت کے سلسلے میں ایک غلط فہمی

یہ حقیقت واضح رہے کہ ۱۹۰۰ء سے پہلے مرزا قادیانی موقع پاکر کبھی نبوت کا دعویٰ کرتا اور کبھی خطرہ محسوس کرتا تو انکار بھی کر دیتا تھا۔ اس وجہ سے بعض لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لئے یہ بات ذہن نشین رکھنے کی ہے اپنے مرنے سے پہلے ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء میں جو اس نے تحریر لکھی ہے اُس سے دعویٰ نبوت کے بارے میں سارے شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء کے بعد سے مرنے تک کی کیفیت بعینہٖ بلکہ اسی کے رسم الخط میں ملاحظہ کیجئے: ”جناب ایڈیٹر صاحب اخبار عام (لاہور) پرچہ اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے کہ گویا میںنے (میں نے) جلسۂ دعوت میں نبوت سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ...... .... میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں میں اسپر (اس پر) قائم ہوں اسوقت (اس وقت) تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔“ (قادیانی اخبار بدر جلد ۷ مورخہ ۱۱ جون ۱۹۰۸ء، حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۰ تا ۲۷۱)

مسلمانوں سے علیحدگی کے لئے مرزا محمود کا فیصلہ

مرزائیوں کے دوسرے نمبر کے گدی نشین مرزا محمود نے اسلام اور مسلمانوں سے مرزائی گروپ کے علیحدہ ہونے اور دونوں کے مابین امتیازی سرحد قائم کرنے کے سلسلے میں یہ ججمنٹ دیا ہے:

”جو شخص غیر احمدی کو رشتہ دیتا ہے وہ یقیناً حضرت مسیح موعود کو نہیں سمجھتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ احمدیت کیا چیز ہے؟ کیا کوئی غیر احمدیوں میں ایسا بے دین ہے جو کسی ہندو یا عیسائی کو اپنی لڑکی دیدے؟ ان لوگوں کو تم کافر کہتے ہو مگر اس معاملہ میں وہ تم سے اچھے رہے کہ کافر ہو کر بھی کسی کافر کو لڑکی نہیں دیتے مگر تم احمدی کہلا کر کافر کو دیتے ہو؟ کیا اس لئے دیتے ہو کہ وہ تمہاری قوم کا ہوتا ہے؟ مگر جس دن سے کہ تم احمدی ہوئے تمہاری قوم تو احمدیت ہوگی شناخت اور امتیاز کے لئے اگر کوئی پوچھے تو اپنی ذات یا قوم بتا سکتے ہو۔ ورنہ اب تو تمہاری قوم، گوت تمہاری ذات احمدی ہی ہے پھر احمدیوں کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں کیوں قوم تلاش کرتے ہو، مومن کا تو یہ کام ہوتا ہے کہ جب حق آجائے تو باطل کو چھوڑ دیتا ہے۔“

(ملائکۃ اللہ از مرزا محمود صفحہ ۴۶، ۴۷ مطبوعہ ربوہ)

مرزا کے ایک اور حواری کا فیصلہ

اور مرزا قادیانی کے ایک حواری مسٹر محمد علی لاہوری نے انگریزی ریویو آف ریلیجنز میں مسلمانوں اور مرزائیوں کے مابین خط امتیاز کو واضح کرتے ہوئے اسطرح لکھا ہے کہ:

The Ahmadiyya movement stands in the same relation to islan in whiceh christianity stood judaism

(منقول از مباحثہ راولپنڈی ص۲۴۰ مطبوعہ کادیان وتبدیلی عقائد مؤلفہ اسماعیل مرزائی ص۱۲ مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر کراچی)

اس میں محمد علی لاہوری نے ’’احمدیت‘‘ کو’’ اسلام‘‘ سے اسی طرح الگ قرار دیا ہے جس طرح عیسائیت یہودیت سے بالکل الگ مذہب ہے اور مرزا غلام کادیانی کے منجھلے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم۔اے، لکھتے ہیں:

’’ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا اور یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔‘‘

(کلمۃ الفصل صفحہ ۱۱۰ مندرجہ ریویو آف ریلیجنز جلد نمبر ۱۴ نمبر ۳-۴ مارچ واپریل ۱۹۱۵ء)

۱۹۰۱ء سے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء مرزا کے مرنے تک، مرزا کی لکھی ہوئی کتابوں کا آپ مطالعہ کریں تو جا بجا یہ حقائق نظر آئیں گے کہ جب کسی نے مرزا کی دورخی پالیسی پر نکیر کی کہ مرزا پر خالص اسلامی اصطلاح لفظ ’’نبی‘‘ کا استعمال کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جبکہ مرزا جی کا نام ونسب اور شخصیت الگ اور نبی پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس الگ ہے۔ تو کبھی مرزا کادیانی، سوال کرنے والوں کو ڈانٹ پلاتا ہوا نظر آئے گا اور کبھی طفل تسلیوں میں مبتلا رکھنے کے لئے مضحکہ خیز تاویلات کے طومار کھڑا کرتا ہوا نظر آئے گا۔ ایک موقع پر جب کوئی جواب بنتا نظر نہیں آتا تو جھنجھلاہٹ کا شکار ہو کر یہاں تک لکھ مارتا ہے کہ لفظ نبی کے استعمال پر مجھ سے کیوں لڑتے ہو جاؤ خدا سے لڑو کہ اُس نے مجھے اس تعبیر سے کیوں یاد کیا ہے۔

مسلمانوں سے علیحدگی کی فکر میں عین محمد ہونے کا دعویٰ

ایک موقع پر یہ جواب دیتا ہے کہ لفظ نبی اگر میں نے اپنے اوپر استعمال کر لیا تو تعجب کی بات کیا ہے؟ میں تو براہ راست (نعوذ باللہ) ’’محمد‘‘ ہی ہوں جو دوبارہ کادیان میں جنم لے کر آیا ہوں، اسطرح محمد کی نبوت محمد ہی کو ملی صرف ڈھانچہ اور جگہ بدل گئی تو اب اعتراض کی کیا بات ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس ملحدانہ نظریے کی عبارت بقلم مرزا: ’’میں بموجب آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم، پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہرحال محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔ یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہوئی پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔‘‘ (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۱۰، ۱۱ مطبوعہ ربوہ، خزائن ص ۲۱۲ جلد ۱۸)

مرزا کے بیٹے سے کسی نے کہا کہ جب نام، کام، مقصد، جگہ، زمانہ سب کچھ مسلمانوں سے الگ ہے تو پھر ''کلمہ'' بھی کیوں نہ بدل لیا جائے؟۔ تو اس کے جواب میں وہ لکھتا ہے:

''پس مسیح موعود (مرزا کادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے اس لئے ہم کو کسی نئے کلمے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔ (کلمۃ الفصل ۱۵۸)

خلاصۂ کلام

ہمارے قارئین نے مذکورہ بالا مرزائی فیصلوں سے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ مسلمان اور کادیانی کسی بھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، اور نہ ایک ہوسکتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ایسا ہمہ جہت شناختی سرحد قائم ہے کہ جس کا لحاظ نہ کرنا ایک بدیہی حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے وہ ایک زبان اور ایک اصطلاح میں کیسے جمع ہوسکتے ہیں؟۔ اگر مسلمانوں کو مسلمان کہا جائے تو کادیانیوں پر ''مسلم'' لفظ کا لاحقہ کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے؟۔ اگر مسلمانوں کے معبد کو مسجد کہا جائے تو کادیانیوں کے معبد کو ''مسجد'' کیسے کہا جاسکتا ہے؟۔

مسلمانوں کی فراخ دلی اور مرزائیوں کی ہٹ دھرمی

چنانچہ مسلمانوں نے مرزا کادیانی کے منشاء کے مطابق اس کے تمام اعلانات کو قبول کرتے ہوئے فراخ دلی کا ثبوت دیا اور مرزائیوں کے قائم کردہ سرحدوں کا لحاظ کرتے ہوئے اُنھیں اُن ناموں سے یاد کرنا شروع کردیا جس کے وہ مستحق تھے، مثلاً مرزا کو اور اس کے ماننے والوں کو مرزائی، کادیانی، یا کافر وغیرہ ناموں سے یاد کیا مرزائیوں کے معبد کو مسجد کی بجائے ''مرزاڑا'' یا کادیانی مندر وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اُن کے ہاتھ سے کاٹے ہوئے جانور کو ''ذبیحہ'' کی بجائے ''مردار'' کے لفظ سے اُن کی عبادتوں کو نماز کی بجائے ''پوجاپاٹ'' کے لفظ سے یاد کیا۔

یہاں تک کہ مرزا نے کہا کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ ''یخرج المھدی من قریۃ یقال لھا کدعۃ'' اس میں کدعہ سے مراد حضور پاک ﷺ نے قادیان کو مراد لیا ہے اور عربی میں چھوٹے کاف سے ''کدعہ'' کہا ہے (خلاصہ کتاب البریہ خزائن ج ۱۳ ص ۲۶۰) تو مسلمانوں نے اسے بھی قبول کرتے ہوئے، قادیان نامی گاؤں کو اس کی اصلیت کا لحاظ کرتے ہوئے ''کادیان'' یعنی چھوٹے کاف سے لکھنا بولنا شروع کردیا، تاکہ مرزائیوں کے منشاء کے مطابق مسلمانوں اور کادیانیوں کے مابین واضح دوری دکھائی دے۔

لیکن اِن واضح حقائق کے باوجود مرزائیوں نے یہ بھی کوشش کی کہ اگر مسلمانوں سے زبان و اصطلاح میں بھی علیحدگی اختیار کی گئی تو پھر اسلام اور کادیانیت کے مابین مشرق و مغرب کا فرق واضح طور پر دکھائی دے گا اور کوئی مسلمان کادیانیت کے پھندے میں نہیں پھنسے گا۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کو دھوکہ میں مبتلا رکھنے کے لئے اپنی عبادات اور روزمرہ کے معاملات میں انہی تعبیرات و اصطلاحات کو اپنائے رکھا جو مسلمان پہلے سے استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، مسجد، مدرسہ، قبرستان، دفن، کفن، سلام، کلام، لباس، طرز رہائش، وغیرہ تاکہ ایک عام آدمی کو معلوم ہی

نہ ہو سکے کہ کادیانیت اور اسلام میں کوئی فرق بھی ہے۔ بلکہ حدیث شریف میں جن الفاظ سے مرزا کیلئے بقول ان کے پیش گوئی کی گئی تھی اس کو بھی مسترد کرتے ہوئے کادیان کو چھوٹے کاف سے لکھنے کی بجائے قادیان لکھنا لکھانا شروع کردیا ۔یعنی جس دلیل کی بنیاد پر مرزا مہدی بننا چاہتا ہے اس کی جڑ ہی کاٹ ڈالی۔

مرزا کادیانی کی ضد اور کادیانیوں کی پالیسی

بہر کیف مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی یہ خفیہ صورت حال بھی کچھ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مرزا کادیانی نے ایک قدم اور آگے بڑھایا لیکن اب یہ اقدام حکومت برطانیہ کے بل بوتے کس قدر جارحانہ ہے اس پر غور کیجئے کہ اب واضح لفظوں میں خدا کی جانب منسوب کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہے کہ سچا مسلمان کہلانے کا حق دار صرف وہ شخص ہے جو اس کو بلکہ صرف ''اسی کو نبی'' اور مدار نجات مانے۔ گویا ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۰ء تک بیس سال کے عرصے میں مرحلہ وار آہستہ آہستہ اسلام اور مسلمانوں سے اپنی علیحدگی کے اعلان کے باوجود وہ اس بات پر بھی بضد ہے کہ صرف اسے اور اس کی نوزائیدہ مٹھی بھر جماعت کو ہی مسلمان کہا جائے۔ بقیہ اس کے مخالفین جتنے ہیں وہ سب کے سب کافر کہے جائیں گے اور مرزائیوں کا جس جگہ غلبہ ہو وہاں نام کے اِن مسلمانوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو کافروں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی رشتہ، ناطہ، عبادات و معاملات، روٹی سے لے کر قبرستان کی مٹی تک نام کے مسلمانوں کے ساتھ کفار جیسا ہی معاملہ کیا جائے گا اب یہ دونوں نہ ایک جگہ دفن کئے جاسکتے ہیں نہ ایک قبرستان میں جمع ہو سکتے۔ نیز مرزا کادیانی اس بات پر بھی بضد ہے کہ وہ جو کچھ کہے اور جو کچھ لکھے بس وہی ''اسلام'' ہے اس کے ماسوا ابتدا سے لیکر اب تک قرآن و حدیث اور محدثین کی تفاسیر و تشریحات (نعوذ باللہ) سب ردّی کی ٹوکری میں پھینکے جانے کے لائق ہیں۔

اظہار تعزیت

مولانا محمد ایوب صفدر طوفانی کے برادر نسبتی اور ختم نبوت کے سرگرم رکن حافظ محمد یاسر کے والد محترم انتقال کر گئے ہیں۔ قارئین لولاک سے مرحوم کے لئے بلندیٔ درجات اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

پانی پینے کی دعا

''الحمد للہ الذی سقانا عذباً فراتاً برحمتہ ولم یجعلہ ملحاً اجاجاً بذنوبنا (روح المعانی ۲۷/۱۴۹)'' ﴿ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اپنے فضل وکرم سے شیریں چیز پلائی جو ہمارے حلق میں آسانی سے اترنے والی ہے اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے کڑوا اور حلق میں پھنسنے والا نہیں بنایا۔ ﴾ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہ دعا عام طور پر کتابوں میں نہیں ملتی اس کو یاد کرلینا چاہیے۔

قادیانیت ارباب اقتدار کی نظر میں

مولانا عزیز الرحمٰن ثانی

فتنہ قادیانیت کے بارے میں ارباب اقتدار کے ایمان افروز مشاہدات وتاثرات اور انکشافات درج کئے جاتے ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم

’’میرا ایمان اسلام پر ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مجھے اپنے مسلمان ہونے پر فخر ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ آخری نبی ہیں۔ان کے بعد کوئی دوسرنبی نہیں آسکتا۔ فیصلہ ہو چکا ہے اور فیصلہ یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جوختم نبوت کا قائل ہے اور جوختم نبوت کا قائل نہیں، وہ مسلمان نہیں۔‘‘

’’قادیانی اتنے خطرناک ہیں اس کا مجھے احساس ان دو دنوں میں ہوا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ قادیانی مذہب کے لوگ اس قدر خوفناک ارادے رکھتے ہیں۔‘‘

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم

’’قادیانیت کا وجود عالم اسلام کے لئے سرطان کی حیثیت رکھتا ہے اور حکومت پاکستان مختلف اقدامات کے ذریعے اس بات کو یقینی بنارہی ہے کہ اس سرطان کا خاتمہ کیا جائے۔جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے لئے یہ بات قابل فخر ہے کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا پردہ چاک کیا اور دنیا کو اس کے فریب سے آگاہ کیا۔ختم نبوت کا عقیدہ نہ صرف ملت اسلامیہ کے ایمان کا بنیادی نکتہ ہے۔ بلکہ پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کے دین اور رحمت کی تکمیل کا عالمی پیغام ہے۔‘‘

قادیانیوں کے بارے میں آرڈیننس کے نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ:’’اس آرڈیننس کے انتہائی اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں اور اس سے اسلامی معاشرے کے قیام میں بڑی مدد ملے گی۔ قادیانوں اور احمدیوں کے بارے میں آرڈیننس نافذ کر کے حکومت نے نہ صرف اسلام کی عظمت کی بحالی کے لئے اپنے عزم کا اظہار کر دیا ہے۔ بلکہ اس نے معاشرے کی خرابیوں کو دور کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ہمیں اصل خطرہ انہی منافقوں (قادیانیوں) سے ہے جو مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر ہماری صفوں میں گھسے ہوئے ہیں۔‘‘

بے نظیر بھٹو صاحبہ (سابقہ وزیر اعظم)

بے نظیر بھٹو نے ایک سوال کے جواب میں کہا:’’قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے سے قبل قومی اسمبلی میں بلا کر یہ موقع دیا گیا تھا کہ وہ ثابت کرسکیں کہ وہ ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔لیکن قادیانی سربراہ نے قومی اسمبلی میں آکر جو موقف بیان کیا وہ ختم نبوت سے مکمل انکار تھا۔لہٰذا ملک کی منتخب اسمبلی میں اتفاق رائے سے قادیانیوں کو آئینی

ترمیم کے ذریعے غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس لئے وہ ترمیم درست ہے اور اسے ختم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

محمد خان جونیجو (سابق وزیراعظم)

’’ختم نبوت کے منکرین (قادیانیوں) کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ توہین ختم نبوت برداشت نہیں کی جائے گی۔‘‘

میاں نواز شریف (سابق وزیراعظم)

’’حضور ﷺ کی شان میں کسی گستاخی پر کوئی بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہے۔‘‘

راجہ محمد ظفر الحق (سابق وفاقی وزیر)

’’ختم نبوت کے بغیر اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ملک کے دانشور طبقہ اور پڑھے لکھے لوگوں کو بھی اس مسئلہ کی سنگینی کا علم نہیں۔ وہ قادیانیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں اور اس بات پر ناراض ہیں کہ حالیہ صدارتی آرڈیننس کیوں جاری کیا گیا۔ اگر مرتدین کے بارے میں رواداری کی گنجائش ہوتی تو حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی میں جب لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تو آپ ﷺ انہیں قتل نہ کراتے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کروانے کے لئے ساڑھے بارہ سو جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو شہید نہ کراتے۔‘‘

چوہدری پرویز الٰہی (سابق صوبائی وزیر)

’’کسی قادیانی کو مسلم لیگ میں شامل نہیں ہونے دیا جائے گا۔‘‘

محمد حنیف طیب (سابق وفاقی وزیر مملکت)

’’قادیانیت باقاعدہ ایک الگ مذہب ہے۔ جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ جس کا مقصد ہی مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی قوت کو ختم کرنا ہے۔ ایک عام مسلمان اس گھناؤنی تحریک کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ حالانکہ اس وقت یہ تحریک ملک کے سارے اعصابی نظام پر چھائی ہوئی ہے۔ میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقدور بھر جدوجہد کرتا رہوں گا۔ انجمن طلباء اسلام کا ایک کارکن مرزائیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہے۔ راہنمایان قوم اگر نظریہ پاکستان کے حق میں مخلص ہیں تو مجھے ان سے توقع ہے کہ وہ اپنے معمولی قسم کے اختلافات بھلا دیں گے اور کرسیوں کی خاطر لڑنے کی بجائے قادیانیوں کے خلاف منظم تحریک چلائیں گے۔ تاکہ اسلام کو برسر اقتدار لایا جاسکے۔ اگر انہوں نے اس وقت اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کیا تو دنیا و آخرت میں ان کا حشر برا ہوگا۔ میں علمائے کرام اور مشائخ عظام سے دست بستہ عرض کروں گا کہ یہ وقت صرف خانقاہوں اور مدرسوں میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ میدان میں آ کر عوام کو قادیانیت کے زہر سے بچایا جائے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ علمائے کرام و مشائخ عظام اپنے معمولی قسم کے اختلافات کو مٹا کر گلی کوچوں میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلا کر نیابت رسول کا حق ادا کریں گے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؒ

اگر علمائے کرام ومشائخ عظام متحد نہ ہوئے اور محض اپنی ذاتی انا کی خاطر ناموس رسالت کو قربان کر دیا تو تمام مسلمانوں کے گمراہ ہونے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوگی۔‘‘

صاحبزادہ فاروق علی خان سابق سپیکر قومی اسمبلی

’’ناموس رسالت کا مسئلہ نازک اور حساس ہے۔ مسلمان جان بھی قربان کر دینا ایک انتہائی معمولی بات سمجھتا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ امت کو جو والہانہ عشق ہے اس کو زبان وقلم سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ ربوہ کی قادیانی جماعت کے عقائد فی الواقع خطرناک ہیں۔ اس فرقے کا ہر گروہ عقائد کا خطرناک گورکھ دھندا لئے پھرتا ہے۔ اگر قادیانی جماعت مذہبی طور پر خطرناک ہے تو لاہوری جماعت اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ دونوں فرقوں میں عقائد کا فرق مذہبی کی بجائے سیاسی ہے۔ مذہبی طور پر دونوں ایک ہیں۔ پاکستان کی تاریخ پہلی بار ۱۹۷۳ء کا آئین متفقہ طور پر بنا۔ پھر قادیانیوں کے بارے میں یہ فیصلہ بالاتفاق ہوا۔ اس کے سوا متفقہ فیصلے کی کوئی مثال میرے علم میں نہیں۔ ولی خان کی نیپ نے اس بارے میں مفتی محمود کو اپنا قائد تسلیم کیا تھا کہ ان کی رائے ہماری رائے ہے۔ جس روز فیصلہ ہوا، ولی خان سوات میں تھے۔ میں نے ان کو سوات سے بلایا۔ وہ آئے اور انہوں نے بھی فیصلے پر دستخط کر دیئے۔‘‘

مولانا عبدالستار نیازیؒ (سابق وفاقی وزیر)

’’مرزائی جہاں کہیں بھی موجود ہیں، کفر کے ایجنٹ ہیں۔ اسلام کے خلاف جاسوس ہیں۔ قادیانیوں نے بغداد کے سقوط پر گھی کے چراغ جلائے تھے۔‘‘

سردار محمد عبدالقیوم خان (صدر آزاد کشمیر)

’’اب قادیانیت کے سکڑنے بلکہ ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ہندوؤں اور یہودیوں کی طرح خوبصورت لڑکیاں، نوکریاں اور رقم دے کر مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ ہم آزاد کشمیر میں کوشش کر رہے ہیں کہ اس سرزمین کو قادیانیت کے فتنہ سے محفوظ رکھیں۔ وہاں انہوں نے بہت سازشیں کی ہیں۔‘‘

سردار سکندر حیات (وزیراعظم آزاد کشمیر)

’’وزارت خارجہ میں موجود قادیانی مسئلہ کشمیر کو پھر سرد خانے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔‘‘

ایم. پی بھنڈارا (سابق وفاقی وزیر اقلیتی امور)

’’پاکستان میں قادیانیوں کو عبادت کرنے سے کوئی نہیں روکتا۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں قادیانیوں میں بہت کم فراخ دلی پائی جاتی ہے۔ انہیں ایسے اقدام نہیں کرنے چاہئیں جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو۔ اس کے علاوہ قادیانی فوراً مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنے اداروں میں غیرقادیانیوں کو جگہ نہیں دیتے۔‘‘ (نوٹ: اس مضمون کی تیاری کے لئے جناب محمد متین خالد صاحب کی کتاب ’’قادیانیت میری نظر میں‘‘ سے مواد حاصل کیا گیا)

کفریات مرزا!

غلام دستگیر خان بیخود جالندھری!

۱...... مرزا قادیانی (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۹، خزائن ج۱۱ ص۲۹۳) میں لکھتے ہیں: ”مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن مجید میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا۔“ (اور ست بچن ص۱۵۹، خزائن ج۱۰ ص۲۸۳) میں لکھا ہے یسوع مسیح ایک اسرائیلی آدمی مریم کا بیٹا ہے، اور (انجام آتھم ص۴۱، خزائن ج۲ ص۱۱) میں لکھا ہے۔ (مریم کا بیٹا کشلیا کے بیٹے یعنی راجچندر سے کچھ زیادتی نہیں رکھتا۔) توبہ توبہ نعوذ باللہ من ذلک، حالانکہ سیدنا مسیح بن مریم کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید سورہ مائدہ میں فرماتا ہے: ”ماالمسیح ابن مریم الا رسول“ ﴿یعنی حضرت مسیح ابن مریم خدا کے رسول ہیں۔﴾

۲...... مرزا قادیانی (دافع البلاء ص۲۰، خزائن ج۱۸ ص۲۴۰) میں لکھتا ہے: ”خدا نے ہمیں تو بتلایا کہ انجیل ایک مردہ اور ناتمام کلام ہے“ اور (براہین احمدیہ حاشیہ درحاشیہ ص۳۶۱، خزائن ج۱ ص۴۳۱) میں لکھتا ہے: ”حضرت عیسیٰ تو انجیل کو ناقص کی ناقص چھوڑ کر آسمان پر جا بیٹھے۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے: ”وآتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونور“ ﴿یعنی دی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل جس میں ہدایت اور نور ہے۔﴾

۳...... مرزا قادیانی (اعجاز المسیح ص۱۰۱، خزائن ج۱۸ ص۱۰۴) میں لکھتے ہیں: ”فیکون رحمٰن محمد ﷺ یقیناً یعنی یقیناً رحمٰن محمد ہی ہے۔“ اور ص۱۰۲، خزائن ج۱۸ ص۱۰۵ میں لکھا ہے: ”ان الرحمن محمد ﷺ وان محمد الرحمن۔ یعنی رحمٰن محمد ﷺ ہے اور محمد رحمٰن ہے۔“ یعنی اللہ اور محمد ایک ہی چیز ہے۔ حالانکہ یہ کفر ہے۔ نصاریٰ کا بھی یہی دعویٰ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے: ”لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم“ ﴿یعنی یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا اللہ مسیح بن مریم ہے۔﴾

۴...... اسی (اعجاز المسیح ص۱۴۳، خزائن ج۱۸ ص۱۴۷) میں لکھا ہے: ”سمی زمان المسیح الموعود یوم الدین۔ یعنی یوم الدین میرے زمانہ کا نام ہے۔“ اور ازالہ اوہام ص۱۴۳، خزائن ج۳ ص۱۶۹ میں لکھتے ہیں: ”خدا تعالیٰ کے تائید یافتہ بندے یعنی خود مرزا قادیانی قیامت کا ہی روپ بن کر آتے ہیں اور انہی کا وجود قیامت کے نام موسوم ہوسکتا ہے۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید پارہ ۲۹ میں قیامت کے متعلق ایک مستقل سورہ نازل فرمائی جس کا نام ہی سورہ قیامت ہے۔ اس کے آخر میں ہے: ”الیس ذلک بقادر علی ان یحییٰ الموتیٰ“ ﴿یعنی کیا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کرے۔﴾ (مگر مرزا قادیانی اور امت مرزائیہ کا اس بات سے انکار ہے)

۵...... مرزا قادیانی (توضیح مرام ص۲۴، خزائن ج۳ ص۶۳) میں لکھتے ہیں: ’’جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو فرشتہ وملک کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔‘‘ حالانکہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی پارہ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ’’من کان عدو اللہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکائیل فان اللہ عدو للکافرین‘‘ ﴿یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں کے اور جرائیل اور میکائیل فرشتوں کے دشمن ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔﴾

۶...... مرزا قادیانی (حقیقت الوحی ص۱۰۳، خزائن ج۲۲ ص۱۰۷) میں اپنی وحی نقل کرتے ہیں: ’’کہ میرا خدا کہتا ہے کہ اخطی واصیب اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ دوں گا کبھی پورا کر دوں گا۔‘‘ اس وحی الٰہی کے ظاہری الفاظ یہ معنے رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کرتا ہوں اور صواب بھی۔ واہ مرزا قادیانی کا خدا؟ یہی وجہ ہے کہ محمدی بیگم کے نکاح کا مرزا قادیانی کے ساتھ وعدہ بھی کر دیا اور وحی بھی بھیج دی۔ جیسا کہ (ازالہ اوہام ص۳۹۶، ۳۹۷، خزائن ج۳ ص۳۰۵) میں مرقوم ہے اور پورا بھی نہ کر سکا۔ مگر مسلمانوں کے خدا کی صفت یہ ہے کہ: ’’فعّال لما یرید سورہ بروج‘‘ ﴿یعنی پورا کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔﴾

۷...... مرزا قادیانی (توضیح مرام ص۷۵، خزائن ج۳ ص۹۰) میں لکھتے ہیں: ’’ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ بے شمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہا عرض اور طول بھی رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح (جو ایک دریائی جانور ہے) اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں۔‘‘ یہ ہے مرزا قادیانی کا خدا۔ اور مسلمانوں کے خدا کی صفت یہ ہے: ’’لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر‘‘ (سورہ شوریٰ) ﴿اور اس کے مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔﴾

۸...... (حقیقت الوحی ص۸۴، خزائن ج۲۲ ص۸۷) میں لکھا ہے: ’’قرآن مجید خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں۔‘‘ حالانکہ اللہ تعالیٰ سورہ اسراء میں فرماتا ہے: ’’قل لئن اجمعت الجن والانس علی ان یأتوا بمثل ھذا القرأن لا یاتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیرا‘‘ ﴿یعنی اگر جن وانسان سب جمع ہو کر قرآن کے مثل کوئی کلام لانا چاہیں تو نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کی امداد بھی کریں۔﴾

۹...... اسی (کتاب حقیقت الوحی ص۸۹، خزائن ج۲۲ ص۹۲) میں لکھا ہے: ’’آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔‘‘ اور نزول مسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷ میں لکھا ہے: ’’آدمم نیز احمد مختار۔ دربرم جامۂ ہمہ ابرار‘‘ آگے لکھتے ہیں: ’’کم نیم زان ہمہ بروئے یقیں۔ ہر کہ گوید دروغ است لعین۔ یعنی تمام انبیاء آدم سے لیکر آن حضورﷺ تک جتنے گزرے ہیں۔ سب کے مدارج مجھ (مرزا) میں پائے جاتے ہیں۔ اور درجہ میں کسی سے کم نہیں اور یہ جھوٹی بات نہیں۔‘‘ گویا مرزا قادیانی درجہ میں آنحضورﷺ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حالانکہ حضور ﷺ کے بے شمار فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو خاتم النبیین بنایا جیسا کہ سورہ احزاب میں مذکور ہے اور آپ ﷺ کے سوا یہ شان کسی کو حاصل نہیں۔ مرزا قادیانی نے اسی کتاب (نزول المسیح ص۳، خزائن ج۱۸ص ۳۸۱) میں لکھا ہے: ''میں رسول اور نبی نہیں ہوں۔'' اور ازالہ اوہام ص۶۷۸، خزائن ج۳ص ۱۸۵ میں لکھا ہے: ''من نیستم رسول ونیا وردہ ام کتاب'' اب تعجب انگیز بات تو یہ ہے کہ ادھر مرزا قادیانی رسول اور نبی بھی نہیں اور ادھر اولوالعزم انبیاء سے بھی درجہ میں زیادہ ہیں۔ گویا اپنے قول پر بول کرنا ہے۔

۱۰...... (حقیقت الوحی ص۱۰۵، خزائن ج۲۲ص ۱۰۸) میں لکھا ہے: ''انما امرک اذااردت شیئاان تقول له کن فیکون۔ یعنی خدا نے کن فیکون کا اختیار مرزا قادیانی کو دے دیا۔'' پس اسی بناء پر مرزا قادیانی (کتاب البریہ ص۷۸، خزائن ج۱۳ص ۱۰۳) میں لکھتے ہیں: ''میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔'' حالانکہ یہ فرعون کا دعویٰ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر سورہ قصص میں دی ہے: ''وقال فرعون یا ایها الملاء ماعلمت لکم من اله غیری'' ﴿یعنی فرعون نے کہا اے جماعت تمہارے لئے میں اپنے سوا کوئی معبود نہیں جانتا۔﴾ الغرض جو کچھ مذکور ہوا یہ مرزا قادیانی کے کفریات سے مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ پس جس شخص کی یہ ایمانی حالت ہو کب وہ امام یا مجدد یا مقرب خدا بن سکتا ہے۔ نبوۃ تو بجائے خود رہی۔

تبصرہ کتب

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے...... ادارہ!

حیات آفتاب و ماہتاب: مؤلف: مولانا ابوہارون قادر بخش اعوان: صفحات: ۴۸۰: قیمت: درج نہیں: ملنے کا پتہ: مکتبہ معاویہ...... جامعہ مسجد الکبریا علامہ اقبال روڈ مصطفیٰ آباد لاہور!

وادی سون سکیسر ضلع خوشاب کا ایک قصبہ کفری ہے جس میں متبحر عالم ربانی حضرت مولانا خدا بخش تھے۔ اس علاقہ کے لئے ان کا وجود انعام الٰہی تھا۔ حضرت مولانا خدا بخش مرحوم کے صاحبزادے مولانا محمد بخش صاحب بھی عالم ربانی تھے۔ باپ بیٹا دونوں عالم دین، دونوں خطیب، دونوں مفتی، دونوں اس علاقہ کے لوگوں کے مذہبی وقومی رہنما تھے۔ ان حضرات نے تعلیم وتربیت، وعظ وتبلیغ اور خدمت خلق کے ذریعہ وہاں پر قابل رشک خدمات سرانجام دیں۔ جناب مصنف نے ان دونوں حضرات کی بہت ہی جامع سوانح مرتب کر کے لائق تحسین خدمت سرانجام دی ہے۔

البتہ پروف ریڈنگ اور ترتیب میں بہت کچھ اصلاح کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً ص ۶۸، ۶۹ پر تکرار طبع سلیم پر بہت گراں گزرتا ہے۔ لیکن ایسے ہوجاتا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں خیال رکھا جائے گا۔

فتنہ قادیانیت کے سد باب میں زاویہ فکر ونظر

مولانا شاہ عالم گورکھپوری

قادیانیت کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا جب ذکر کیا جائے تو دو قسم کے لوگ سامنے آتے ہیں۔(۱) ایک گروپ وہ ہے جو قادیانیت کو خطرناک فتنہ سمجھ کر اس کے خلاف ہمیشہ بیدار رہنے اور مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کو وقت کا تقاضا سمجھتا ہے۔ایسے لوگوں کے سامنے قادیانیوں کی قلت وکثرت سے بحث نہیں ہوتی بلکہ وہ قادیانیت کے مہلک جراثیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر حال میں اُن کا تعاقب کرنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔اسی لیے اگر کہیں ایک بھی مسلمان قادیانیت سے متاثر ہو جائے تو اس کے خلاف پوری قوت کے استعمال کو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کا نظریہ ہوتا ہے کہ اگر کہیں قادیانیت کا وجود نہ بھی ہو تب بھی تحفظ ختم نبوت کے مسائل اور اس کے لازمی تقاضوں سے نیز اس کے مقابل اٹھنے والے فتنوں کی خطرناکی سے مسلمانوں کو پیشگی باخبر کرنا دینی فریضہ اور ایمانی تقاضا ہے اور اس تقاضے کی تکمیل میں پوری وقت کا صرف کرنا عین ایمان ہے۔

(۲) اس کے مدمقابل مسلمانوں ہی میں سے ایک گروپ وہ ہے جو قادیانی فتنے کا وجود مانتا ہی نہیں اور اگر کسی وجہ سے تھوڑا بہت کچھ تسلیم کر بھی لیتا ہے تو بس اس حد تک کہ اُن کے تعاقب کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ اس قسم کے لوگ ہمیشہ علماء کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ قادیانیت کو بڑھاوا خود اِن علماء نے دیا ہے جو اُن کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ان کے زعم میں علماء کی سرگرمیوں سے قادیانیوں کی پبلسٹی ہوتی ہے۔اپنے اس خیال کی تقویت میں وہ یہاں تک کہہ گذرتے ہیں کہ اگر علماء قادیانیوں کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے تو کوئی ان کو جاننے والا بھی نہیں ہوتا وہ اپنی موت خود مر جاتے اور اب بھی انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو تو وہ خود بخود مر جائیں گے۔

مسلمانوں کے درمیان اس طرح کی کشمکش صرف قادیانی فتنے کی نسبت نہیں بلکہ اسلام مخالف تمام ہی فتنوں کی نسبت پائی جاتی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ بہت پہلے سے چلی آرہی ہے۔البتہ اس کے لیے جغرافیائی حدود اور زمانے کی تعیین ہم جیسے طالب علموں کے لیے مشکل ہے۔زمان ومکان کی تعیین ہمارا موضوع سخن بھی نہیں اس لیے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے مذکورہ بالا دونوں نظریوں کی خوبی وخامی سے بحث کی جاتی ہے۔

جو لوگ فتنوں کے خلاف محاذ آرائی کو غلط کہتے اور علماء کی جانب سے فتنوں کے سد باب کی کوششوں کو فتنوں کی پبلسٹی کا ذریعہ مانتے ہیں،عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کی فکر میں گہرائی نہیں ہوتی۔ان کا یہ نظریہ کہ ”فتنوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو فتنے اپنے آپ مر جائیں گے“اس بات کا غماز ہے کہ ان کے مذہبی مزاج میں ذرا بھی پختگی نہیں ہے۔ان کے نزدیک مذہب کی بس اتنی حیثیت ہے کہ جو کوئی مذہب کو تختۂ مشق بناتا ہے، بنانے دو، اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔

کسی وقت اگر اُن سے کہا جائے کہ آپ کے جسم کے تمام اعضاء صحیح سالم ہیں، آنکھ میں روشنی مکمل ہے، قوت گویائی میں کوئی کمی نہیں، چلنے پھرنے میں کوئی دشواری نہیں، دماغ بھی صحیح ہے، جسم کا ہر عضو صحیح وتندرست ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اگر معمولی سی خراش پاؤں کے کسی ایک حصے میں آگئی تو چھوٹے بڑے تمام ڈاکٹروں کے ہاں چکر لگانے میں کمی نہیں چھوڑتے! ۔ایک کے علاج سے افاقہ نہیں ہوتا تو دوسرے اور تیسرے کے پاس لمبی لمبی فیس ادا کرکے جلد سے جلد اس خراش سے افاقہ کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا جواب یہی ہوتا ہے کہ یہ خراش ہے تو معمولی لیکن اگر زیادہ دنوں تک اس کے علاج کی فکر نہیں گئی تو یہ کینسر کی شکل اختیار کرکے لاعلاج مرض بن سکتا ہے۔اس لیے معمولی ہے تو بھی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔

اس موقع سے اگر ان کا مفروضہ معمولی تغیر کے ساتھ دہرادیا جائے کہ ''خراش کو اپنے حال پر چھوڑ دو اپنے آپ ٹھیک ہوجائے گی'' تو اپنے فریق مخالف کو نہ صرف یہ کہ تنقید وملامت کا ہدف بنالیں گے بلکہ ہر گالی اس کے حق میں روا رکھیں گے۔ اور جب مذہب کی بات آتی ہے تو اس کو اپنے پاؤں کے معمولی زخم کے بقدر بھی قدر واہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ گویا مذہب کا پورا جسم سڑ جائے، کینسر سے بھی زیادہ بھیانک مرض مذہب کے جسم کو چھلنی کردے، مگر اُن کا نظریہ یہی ہوگا کہ ''علماء کی سرگرمیوں سے قادیانیوں کی پبلسٹی ہورہی ہے، اگر علماء قادیانیوں کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے تو کوئی ان کو جاننے والا بھی نہیں ہوتا، وہ اپنی موت آپ مرجاتے'' بھلا ایسے فکری اور ذہنی بیماروں کو اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے گا کہ اُن میں یہ مرض فکری سطحیت اور مذہبی مزاج میں عدم پختگی کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج بس خدا ہی کے ہاتھ میں ہے

اس کا ایک سبب اور بھی سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ بسا اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسے ذہنی مریض غیر شعوری طور پر قادیانی دانشمندوں کی شاطرانہ فتنہ پردازی کا بھی شکار ہوجاتے ہیں لیکن اپنی ہمہ دانی کے زعم میں انھیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ راقم سطور کے تجربے سے کئی ایسے لوگ گذرے ہیں جو بذات خود تو سیدھے سادے تھے مگر یہ سادگی حد سے زیادہ کچھ اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خدا کی پناہ! وہ بار بار اسی فلسفے کو دہراتے تھے کہ علماء خواہ مخواہ قادیانیوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ ایک موقع سے ایک صاحب کہنے لگے کہ قادیانیت کوئی ایسی چیز ہی نہیں کہ اس کے پیچھے پڑا جائے۔ اب حضور ﷺ کے بعد دنیا میں کون احمق ہے جو کسی کو نبی کی حیثیت سے مانے گا؟ راقم سطور نے جب ان کے فکر وفلسفہ کی تہوں کو کریدا تو پتہ چلا کہ اُن کی تہوں میں قادیانی لابی ہی کارفرما ہے اور انھیں اس کا ذرا بھی احساس نہیں کہ وہ قادیانیوں کا آلۂ کار ہیں۔ بدقسمتی سے انھوں نے دو چار کتابیں بھی پڑھ رکھی تھیں مگر بحث کے وقت حوالہ نہیں دیتے تھے، گفتگو کے وقت محسوس یہ ہوتا تھا کہ یہ جناب کی طبع زاد اور خانہ ساز بات ہے۔ ہاں! بڑی مشکلوں کے بعد اُن کی ہمہ دانی کا اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آیا تو مجبوراً انھیں اقرار کرنا پڑا کہ میرے مطالعہ میں چند کتابیں ہیں۔ جب وہ منگا کر دیکھی گئیں تو معلوم ہوا کہ ساری کتابیں قادیانیوں کی ہیں اور ایک قادیانی، شیعہ بن کر ان کو

کتابیں فراہم کرتا ہے اور وہ اپنے محسن کو شیعہ سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ قادیانی ہے؛ جناب کو چونکہ شیعوں سے کوئی الجھن نہیں اس لیے شیعہ بنا ہوا ہے۔

دہلی کے ایک علاقہ سنگم وہار کی ''اکبری مسجد'' میں راقم سطور کا بیان ہوا۔ میرے بعد میرے رفیق سفر بیان کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ اسی دوران چند نوجوانوں نے اعتراضات شروع کر دیے۔ عشاء کے بعد کا وقت، مجمع کثیر، مسلمانوں کی آبادی والا علاقہ، مگر اعتراضات وہ جو خالص قادیانیوں کی جانب سے ہیں اور انداز یہ کہ صاحب! ہم سب مسلمان ہیں ہمارے پر شک وشبہ نہ کیا جائے۔ راقم سطور نے عرض کیا کہ مسلمانوں کی شکل وشباہت میں آنے والے نوجوانو! تمھارے مطالعہ میں فلاں فلاں کتابیں آئی ہوئی ہیں۔ تمھارے دل ودماغ کی تہوں میں وہ کتابیں کارفرما ہیں نہ کہ تمھارا اپنا ذہن اور علم۔ چنانچہ کچھ ہی لمحے بعد وہ اس کے معترف ہو گئے اور جب ان کے روم سے اسی وقت رات ایک بجے کتابیں نکلوائی گئیں تو پورے مجمع نے دیکھا کہ ساری کتابیں قادیانیوں کی ہیں اور یہ وہی کتابیں ہیں، جن کا نام لے کر راقم سطور نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔ مگر نوجوان ہیں کہ انتہائی سادہ اور انھیں اس کی خبر نہیں کہ وہ قادیانیوں کا آلۂ کار بن کر علماء پر اعتراض کر رہے ہیں۔ جراثیم زدہ ایسے ذہنی بیماروں کے دعویٰ مسلمانی کو اگر قبول کر بھی لیا جائے تو پھر اس خطرناک پہلو سے صرف نظر تو ہرگز نہیں کیا جا سکتا کہ جس سے واقعی سادہ لوح مسلمانوں کا شکوک وشبہات کے دلدل میں پھنسنے اور ایمان ضائع کرنے کا قوی امکان پیدا ہو رہا ہے۔

اس قسم کے خطرناک مواقع پر اہل فہم فیصلہ کریں گے کہ علماء اور غیور مسلمانوں کی خاموشی بہتر ہے یا خم ٹھونک کر میدان میں اترنا اور بلا خوف لومۃ لائم مسلمانوں کو ایسے فتنہ پروروں سے محفوظ رکھنے کی تدبیروں کو اپنانا وقت کی حکمت عملی ہے۔ کیا ان حالات میں بھی فتنہ کے سد باب کے لیے اٹھنے والی آواز اور سرگرمیوں کو'' پبلسٹی کا ذریعہ'' کہا جائے گا؟ کیا اب بھی ''اگر علماء قادیانیوں کے خلاف محاذ قائم نہ کرتے تو کوئی ان کو جاننے والا بھی نہیں ہوتا'' کا راگ الاپنے والے دانشوران، اپنے زعم پر قائم رہیں گے؟۔ اگر ایسے لوگ اپنی ضد پر ہیں تو غیور مسلمانوں کو بھی ان کے بے سروپا اعتراضات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دینا چاہیے اور فتنوں کے مقابلہ کے لیے سینہ سپر رہنا چاہیے۔ چنانچہ اسی بات کا درس ہمیں اس حدیث شریف میں ملتا ہے جس میں فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

''سیکون فی آخر هذه الامة قوم لهم اجر مثل اجر اوّلهم یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنكر و یقاتلون اهل الفتن '' ﴿اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اس امت کے پہلے لوگوں جیسا ثواب ملے گا۔ وہ بھلی باتوں کا حکم دیں گے، منکرات سے روکیں گے اور فتنوں کے مقابل سینہ سپر رہیں گے۔﴾

جماعتی سرگرمیاں

ادارہ

ختم نبوت کورس گوجرانوالہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع گوجرانوالا کے زیر اہتمام سہ روزہ ختم نبوت کورس مورخہ ۲۱،۲۲،۲۳ر فروری بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار جامع مسجد ختم نبوت المعروف مسجد شیر شاہ سوری نزد چمن شاہ قبرستان میں منعقد ہوا۔کورس کا دورانیہ نماز مغرب تا عشاء رکھا گیا۔کورس کے پہلے روز مولانا محمد عمر حیات نے اپنے عالمانہ مگر عام فہم انداز میں تحریکات ختم نبوت پر لیکچر دیا۔ بعدازاں ضلعی مبلغ مولانا محمد عارف شامی نے قادیانیوں کے کفریہ عقائد کا دلائل کے ساتھ محاسبہ کیا۔آخر میں ضلعی نائب امیر مولانا قاری منیر احمد قادری نے دعا کے ساتھ نشست کا اختتام کیا۔دوسرے روز مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے قادیانیوں کی عالمی سرگرمیوں اوران کے سدباب کے عنوان پر مفصل لیکچر دیتے ہوئے فرمایا کہ قادیانیوں کو عالم کفر کی مکمل سرپرستی حاصل ہے اوروہی اس خودکاشتہ پودے کو پھل، پھول لگانے میں مصروف ہے۔لیکن اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے جب تک نبی ﷺ کے غلام زندہ ہیں۔ان کی تمام سرگرمیوں کے سامنے سدسکندری کا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ان کے بعد مولانا داؤد احمد نے قادیانی ریشہ دوانیوں پر خوب روشنی ڈالی اور قادیانیوں کی طرف سے سادہ لوح مسلمانوں پر استعمال کئے جانے والے داؤ پیچ کو واضح کیا۔بعدازاں مولانا عبدالقدوس قارن نے حیات مسیح علیہ السلام پر مدلل لیکچر دیا اور قادیانی اعتراضات کے جواب بھی دیئے۔آخر میں دعا کے ساتھ اس نشست کا اختتام کیا۔تیسرے اورآخری روز مولانا عزیز الرحمٰن ثانی نے دفاع ختم نبوت کے عنوان پر لیکچر دیتے ہوئے فرمایا کہ دفاع ختم نبوت ہماری رگوں میں رچ بس چکا ہے اوراس کا دفاع زندگی کے آخری لمحات تک کرتے رہیں گے۔آخری خطاب شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا کا ہوا۔انہوں نے سیرت امام مہدی علیہ الرضوان اورردقادیانیت پر مفصل ومدلل بیان کیا۔انہوں نے کہا کہ قادیانی اس دنیا میں محمد عربی ﷺ کی دشمنی کی چلتی پھرتی تصویر ہیں اوردشمن رسول کا بائیکاٹ محبت نبی ﷺ کا تقاضا ہے۔انہوں نے کہا کہ اگر مرزا قادیانی کے پیروکار اسے چھوڑ کر محمد عربی ﷺ کی غلامی میں آجائیں تو انہیں گلے لگالیں گے۔سہ روزہ ختم نبوت کورس میں چارسو سے زائد افراد شریک ہوئے۔تمام شرکاء کورس کو سند اعزاز اورانعامات دیئے گئے۔تقسیم اسناد وانعامات میں ضلعی ناظم قاری محمد یوسف عثمانی، پروفیسر حافظ محمد انور، سید احمد حسین زید، قاری منیر احمد قادری، قاری محمد انور خطیب جامع مسجد شیر شاہ سوری، مولانا قاری عبدالغفور آرائیں، شیخ احسان احمد خان، شاہجہان خان اورمولانا محمد عارف شامی نے شرکت کی۔شرکاء کورس کے لئے باقاعدہ طعام کا انتظام کیا گیا تھا جس کا اہتمام عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت یونٹ چمن شاہ کے احباب حاجی گلستان خان اورماسٹر فضل نور نے اپنی ٹیم کے ہمراہ کیا تھا۔اختتامی کلمات اور دعا ضلع گوجرانوالا کے امیر مولانا اشرف مجددی نے کرائی۔

قاری شوکت محمود کا سانحہ ارتحال

مورخہ ۳؍فروری ۲۰۱۴ء کو قاری شوکت محمود عالم آخرت سدھار گئے۔ نماز جنازہ ۳؍فروری بعد از نماز ظہر ان کے آبائی گاؤں محال کھاکھی سیلانوالی میں پڑھائی گئی۔ قاری صاحب دل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ وفات سے آٹھ روز قبل ''پرویز الٰہی کارڈیالوجی ہسپتال'' میں ایڈمٹ ہوگئے تھے اور جنازہ وہیں سے اٹھا۔ قاری صاحب مدرسہ نور محمدیہ تجوید القرآن بہار شاہ کے صدر مدرس تھے۔ عرصہ تدریس ۲۲ سال رہا۔ ماہنامہ لولاک کے مستقل قاری تھے۔ سینکڑوں شاگردوں کو سوگوار چھوڑا۔ قارئین سے التماس ہے کہ دعا فرمائیں۔ اللہ موصوف کو درجات کاملہ نصیب فرمائے۔ آمین!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکپتن کا اجلاس

۲۶؍جنوری ۲۰۱۴ء جامع مسجد مکی پاکپتن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکپتن کا اجلاس منعقد ہوا۔ ۱۵ روزہ اس اجلاس میں جماعتی احباب کے علاوہ مقامی علماء کرام نے بھی جوق در جوق شرکت فرمائی۔ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جماعتی مبلغین اور مقامی علماء کرام کے بیانات ہوئے۔ ''عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت کا بائیکاٹ'' اساسی موضوعات تھے۔ مفتی عمار شاہد امیر عالمی مجلس پاکپتن نے کچھ لٹریچر، رسائل وجرائد کے حوالے سے حاضرین کی معلومات میں اضافہ فرمایا اور قادیانی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا تعارف، ان سے بچنے اور ان کے بارے میں محتاط رہنے کی ترغیب دی۔ اختتامی دعا کے ساتھ اجلاس برخاست ہوئی۔

تاریخی جمعہ

سانحہ راولپنڈی، وہاں پر علماء، طلباء اور اہل سنت والجماعت کے ساتھ ناروا سلوک اور حکومت کا وہ عندیہ جس میں چناب نگر کے تعلیمی اداروں کو قادیانی سرپرستی میں دینے کی بات ہوئی ہے۔ ان تین واقعات کے پیش نظر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ٹوبہ کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں طے پایا گیا کہ پورے شہر کے تمام دیوبندی مساجد کا نماز جمعہ ایک جگہ ہونی چاہئے۔ جامع مسجد بلال غلہ منڈی کا انتخاب ہوا۔ شہر میں اعلانات ہوئے۔ یکم؍جنوری ۲۰۱۴ء کو یہ اقدام عمل میں آیا۔ اجتماع میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا محمد خبیب، مجلس احرار کے حافظ محمد اسماعیل، اہل السنت والجماعت کے مولانا اویس، جمعیت العلماء اسلام کے مولانا مجیب الرحمٰن لدھیانوی کے علاوہ دیگر معروف جماعتوں کے کثیر حضرات نے شرکت کی۔ اللہ کرے اجتماع کے مطالبات کی بارآوری ہو۔

گوہر شاہی کے جلوس پر پابندی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کوششوں سے گذشتہ کی طرح امسال بھی گوہر شاہی کا جلوس نہ نکلا۔ ضلع ٹوبہ کے مولانا عبدالرشید لدھیانوی، مولانا محمد سعد اللہ لدھیانوی، مبلغ ختم نبوت مولانا محمد خبیب نے قانونی چارہ جوئی کر کے جلوس پر پابندی عائد کرادی اور اس فتنے کے استیصال کا عزم ظاہر کیا۔

قاری شوکت محمود کا سانحۂ ارتحال

مورخہ ۳رفروری ۲۰۱۴ء کو قاری شوکت محمود عالم آخرت سدھار گئے۔ نماز جنازہ ۳رفروری بعد از نماز ظہر ان کے آبائی گاؤں نحال کھاکھی سیلانوالی میں پڑھائی گئی۔ قاری صاحب دل کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ وفات سے آٹھ روز قبل ''پرویز الٰہی کارڈیالوجی ہسپتال'' میں ایڈمٹ ہوگئے تھے اور جنازہ وہیں سے اٹھا۔ قاری صاحب مدرسہ نور محمدیہ تجوید القرآن بہار شاہ کے صدر مدرس تھے۔ عرصہ تدریس ۲۲ سال رہا۔ ماہنامہ لولاک کے مستقل قاری تھے۔ سینکڑوں شاگردوں کو سوگوار چھوڑا۔ قارئین سے التماس ہے کہ دعا فرمائیں۔ اللہ موصوف کو درجات کاملہ نصیب فرمائے۔ آمین!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکپتن کا اجلاس

۲۶رجنوری ۲۰۱۴ء جامع مسجد کی پاکپتن میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکپتن کا اجلاس منعقد ہوا۔ ۱۵روزہ اس اجلاس میں جماعتی احباب کے علاوہ مقامی علماء کرام نے بھی جوق در جوق شرکت فرمائی۔ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جماعتی مبلغین اور مقامی علماء کرام کے بیانات ہوئے۔ ''عقیدۂ ختم نبوت اور قادیانیت کا بائیکاٹ'' اساسی موضوعات تھے۔ مفتی عمار شاہد امیر عالمی مجلس پاکپتن نے کچھ لٹریچر، رسائل وجرائد کے حوالے سے حاضرین کی معلومات میں اضافہ فرمایا اور قادیانی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا تعارف، ان سے بچنے اور ان کے بارے میں محتاط رہنے کی ترغیب دی۔ اختتامی دعا کے ساتھ اجلاس برخاست ہوئی۔

تاریخی جمعہ

سانحہ راولپنڈی، وہاں پر علماء، طلباء اور اہل سنت والجماعت کے ساتھ ناروا سلوک اور حکومت کا وہ عندیہ جس میں چناب نگر کے تعلیمی اداروں کو قادیانی سرپرستی میں دینے کی بات ہوئی ہے۔ ان تین واقعات کے پیش نظر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ٹوبہ کا ایک اجلاس ہوا۔ جس میں طے پایا گیا کہ پورے شہر کے تمام دیوبندی مساجد کا نماز جمعہ ایک جگہ ہونی چاہئے۔ جامع مسجد بلال غلہ منڈی کا انتخاب ہوا۔ شہر میں اعلانات ہوئے۔ یکم رجنوری ۲۰۱۴ء کو یہ اقدام عمل میں آیا۔ اجتماع میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا محمد خبیب، مجلس احرار کے حافظ محمد اسماعیل، اہل السنت والجماعت کے مولانا اویس، جمعیت العلماء اسلام کے مولانا مجیب الرحمن لدھیانوی کے علاوہ دیگر معروف جماعتوں کے کثیر حضرات نے شرکت کی۔ اللہ کرے اجتماع کے مطالبات کی بارآوری ہو۔

گوہر شاہی کے جلوس پر پابندی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کوششوں سے گذشتہ کی طرح امسال بھی گوہر شاہی کا جلوس نہ نکلا۔ ضلع ٹوبہ کے مولانا عبدالرشید لدھیانوی، مولانا محمد سعداللہ لدھیانوی، مبلغ ختم نبوت مولانا محمد خبیب نے قانونی چارہ جوئی کرکے جلوس پر پابندی عائد کرادی اور اس فتنے کے استیصال کا عزم ظاہر کیا۔

بتاریخ 10 اپریل 2014 بعد نماز عشاء بروز جمعرات

تاریخی عظیم الشان

ختم نبوۃ کانفرنس

الفتح گراؤنڈ
سلیمی چوک
ستیانہ روڈ
فیصل آباد

زیر سرپرستی
مولانا عبدالمجید لدھیانوی
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

زیر صدارت
ولی کامل پیر طریقت
حافظ ناصر الدین خاکوانی
دامت برکاتہم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فیصل آباد

مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان لاہور

کے زیر اہتمام

بیاد
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

تیسرا

شیخ الاسلام سیمینار

بمقام: ہمدرد ہال، لٹن روڈ، لاہور بتاریخ: 20 اپریل 2014ء بروز اتوار

مہمان خصوصی: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب مدظلہم

زیر صدارت: حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
امیر مجلس یادگار شیخ الاسلام لاہور

الداعی الی الخیر: مجلس منتظمہ مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، لاہور

برائے رابطہ: 042-37112492 ، 0331-0070580 ، 0333-4432853 ، 0333-4249302

MONTHLY LAULAK MULTAN REGD. Number M-108

زیر صدارت

حکیم العصر محدث دوراں
ولی کامل مخدوم العلماء
حضرت اقدس
شیخ الحدیث
مولانا عبد المجید لدھیانوی دامت برکاتہم

امیر مرکزیہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

عظیم الشان

ختم نبوۃ کانفرنس

شمع ختم نبوت کے پروانوں سے شرکت کی درخواست ہے

بمقام

جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ لاہور

12 اپریل 2014 بروز ہفتہ بعد از نماز مغرب

خصوصی خطاب
قائد ملت اسلامیہ
حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ
امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان

مولانا سید محمود میاں

مفتی محمد حسن

خواجہ عزیز احمد

مولانا مفتی سعید الحسن دہلوی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لاہور

0300-4304277
0321-9496702
0300-4279021
0322-4410730